نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

اسلامی تہذیب اور اس کا عالم گیر تصور

سید عزیز الرحمٰن ☆

کسی بھی قوم کے تہذیبی، ثقافتی اور سماجی تصورات کسی نہ کسی طور ان کے نظامِ اعتقادات سے پیوست ہوتے ہیں۔ بعض صورتوں میں تو یہ وابستگی محض نظری ہوتی ہے، لیکن بہت سی صورتوں میں یہ تعلق اور وابستگی اس قدر بدیہی اور فطری ہوتی ہے کہ انہیں علیحدہ کرنا بلکہ ان میں خط امتیاز کھینچنا بھی ممکن نہیں ہوتا۔ اس عام کلئے کا اطلاق اسلام اور اس کے تہذیبی و ثقافتی تصورات پر بھی ہوتا ہے۔ اسلام کے نظام اعتقادات کی بنیاد جن ارکان پر ہے ان میں توحید سرفہرست اور بنیادِ اسلام کی حیثیت اول ہے، وہی توحید جس کا تصور کسی نہ کسی صورت اور کسی نہ کسی درجے میں تمام اہم مذاہبِ عالم میں موجود ہے۔ حیرت انگیز امر یہ ہے کہ ان میں وہ مذاہب بھی شامل ہیں جو آسمانی مذاہب میں شمار نہیں کئے جاتے۔ ان مذاہب میں اس خالصتاً آسمانی ہدایت وتعلیم کا موجود ہونا ہمیں دعوتِ فکر بھی دیتا ہے اور دعوت تحقیق بھی۔ شاید اس سے یہ نکتہ اخذ کرنا نامناسب تصور نہ کیا جائے کہ توحید فطرتِ انسانی کی وہ پکار ہے جس کی بالادستی انسانی شعور پر اس قدر واضح ہے کہ زبان اور عمل سے حقیقت توحید کا انکار کرنے والے بھی اس کے کم از کم اظہار سے لاتعلق نہیں رہ سکتے۔ یہی توحید اسلامی تہذیب کی اساس ہے، اور اسلامی تہذیب کے عالم گیر تصور کی بنیاد۔ تہذیب، اسلامی تہذیب، پھر تہذیبِ اسلامی کے عناصرِ ترکیبی، اس کے بنیادی خد و خال، اس کے مظاہر اور مغربی تہذیب وتمدن پر اس کے اثرات یہ وہ چند عناوین ہیں جن کے تحت ہم اپنی گفتگو کو منضبط کرنے کی کوشش کریں گے، اور دیکھیں گے کہ اس باب میں نبی اکرم محسنِ انسانیت ہادیٔ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایات وتعلیمات کیا ہیں؟ **السعی منا و الا تمام من الله، وبیده التوفیق و علیه التکلان ولا حول ولا قوة الا بالله**

تہذیب (CULTURE):

تہذیب عربی زبان کا لفظ ہے، اور اس کا مادہ ہ، ذ، ب ہے، جس کے معنیٰ ہیں صاف کرنا، درست کرنا، پودوں اور درختوں کی شاخیں تراشنا، اصلاح کرنا (۱) چنانچہ اہلِ عرب جب کہتے ہیں کہ **هذب الشعر** تو ان کی مراد ہوتی ہے شعر کی اصلاح کرنا۔ اسی طرح **هذب الرجل** سے مراد ہوتی ہے پاکیزہ اخلاق والا بنانا۔ (۲)

انگریزی میں اس کا مترادف لفظ کلچر (Culture) ہے۔ انگریزی میں یہ لفظ ابتدا میں صرف کاشت کاری کے

☆ ریذیڈنٹ ڈائریکٹر دعوۃ اکیڈمی کراچی، نائب مدیر ششماہی السیرہ عالمی۔

لئے استعمال ہوتا تھا، چنانچہ سترھویں صدی تک یہ لفظ درختوں کی نشونما اور کاشت کاری کے لئے ہی استعمال ہوتا رہا۔(۳) پھر آہستہ آہستہ اس کے مفہوم میں تبدیلی پیدا ہوئی۔ اور یہ انسانی تربیت کے لئے استعمال ہونے لگا، بالآخر انیسویں صدی میں اس لفظ نے وہ معنی اختیار کئے جو آج کلچر سے مراد لئے جاتے ہیں۔(۴)

بیگ بی(Bagby) نے کلچر پر مفصل بحث کرتے ہوئے لکھا ہے کہ کلچر (Culture) کا سب سے پہلے استعمال فرانسیسی مصنفین کے پاس ملتا ہے، جن میں والٹیئر کا نام سرفہرست ہے۔ ان کے ہاں کلچر ذہنی تربیت اور تہذیب کا نام تھا، بعد میں اچھے آداب، آرٹ، سائنس اور تعلیم بھی اس کی تعریف کا حصہ بن گئے۔(۵)

انگریزی میں لفظ کلچر کی تعریف خاصی پیچیدہ ہے، جس کا ایک ثبوت یہ ہے کہ اسی مصنف بیگ بی(Bagby) کے بقول اس کی ایک سو ساٹھ سے زائد تعریفیں کی گئی ہیں۔(۶) چنانچہ کلچر کی چند تعریفیں ملاحظہ کیجئے۔ ای بی ٹائلر کہتا ہے: کلچر ایسا مرکب ہے، جس میں علم، عقیدہ، فن، اخلاق، قانون، رسم و رواج اور دوسری ہر قسم کی صلاحیتیں اور عادتیں جن کا اکتساب انسان معاشرے کا ایک فرد ہونے کی حیثیت سے کرتا ہے، موجود ہیں۔(۷) رابرٹ بیرسٹڈ اس تعریف کو نقل کر کے ایک تعریف یوں بیان کرتا ہے: کلچر وہ مرکب ہے جو سارے نظامِ فکر، نظامِ عمل اور ہر اس چیز پر مشتمل ہے جو معاشرے کا رکن ہونے کی حیثیت سے ہم میں موجود ہے۔(۸) میتھیو آرنلڈ کہتا ہے: کلچر انسان کو کامل بنانے کی بے لوث سعی ہے۔ کلچر کمال کی تحصیل ہے۔(۹) ٹی ایس ایلیٹ(T. S. Eliot) کلچر کی تعریف کرتے ہوئے ابتدا میں کہتا ہے: کلچر آداب کی شائستگی کا نام ہے، یعنی مدنیت اور انسانیت۔(۱۰) آگے چل کر اپنے موقف کی وضاحت اس طرح کرتا ہے: کلچر سے میری مراد وہ ہے جسے ماہرینِ لسانیات بیان کرتے ہیں یعنی ایک خاص مقام پہ رہنے والے مخصوص افراد کا طرزِ حیات۔(۱۱)

تہذیب کا ہم معنیٰ ایک لفظ ثقافت ہے، اس کا مادہ ث، ق، ف ہے، اس کے معنیٰ ہیں سیدھا کرنا، مہذب بنانا اور تعلیم دینا **ثقف الولد** کے معنیٰ ہیں لڑکے کو مہذب بنانا۔(۱۲) راغب علی بیروتی لکھتے ہیں۔

> **الثقافة هل هى اصلاح النفس الصحيح الكامل بحيث يكون صاحبها مرآة الكمال و الفضائل، اصلاح الفاسد و تقويم المعوج (۱۳)**
>
> ثقافت اس کے سوا کچھ نہیں کہ وہ نفس کی صحیح اور مکمل اصلاح کا نام ہے، اس طرح کہ مہذب شخص کی ذات کمال اور فضائل کا آئینہ ہو، یعنی فاسد کی اصلاح اور ٹیڑھے کو سیدھا کرنا۔

ان تعریفوں سے جو بات وضاحت سے سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ تہذیب (Culture) کے معنیٰ میں یہ نکات شامل ہیں۔ اصلاح کرنا(To Refine)، عیوب سے پاک کرنا(To Cleanse)، بہتر بنانا(To Improve)، درست کرنا(To Repair)، تعلیم و تربیت دینا(To educate)، خوش اخلاق بنانا(To polish the Style)(۱۴)

اس تفصیل کی روشنی میں ہم جان سکتے ہیں کہ تہذیب کس چیز کا نام ہے، جو بات واضح ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ ''حیوانِ ناطق'' کو ''انسانِ کامل'' کے درجے پر فائز کر دیا جائے، اور اس میں موجود فکری، علمی، سماجی اور اخلاقی خوبیوں کی تعلیم و تربیت کو ذریعے بے دار کر دیا جائے۔ یہ ہے تہذیب، جس کا ہر کوئی محتاج ہے، مگر جس کی حقیقت سے شاید سب واقف نہیں۔

یہاں آگے بڑھنے سے پہلے مناسب ہے کہ ہم تہذیب کے ساتھ کثرت سے استعمال ہونے والی ایک اور اصطلاح تمدن (Civilization) کے بارے میں بھی غور کر لیں۔ تمدن عرب زبان کا لفظ ہے، اس کا مادہ م، د، ن ہے، مــــدن کے معنٰی ہیں قیام کرنا، شہر آباد کرنا، اور تمدن کے معنٰی ہیں شائستہ ومہذب ہونا۔ (۱۵) اصطلاح میں تمدن کی تعریف ہے: تمدن وہ نظامِ عمل ہے جو انسان کے نظامِ فکر (تہذیب) کے تابع ہوتا ہے، (۱۶) عربی میں اس مفہوم کے لئے حضارۃ کی اصطلاح استعمال ہوتی ہے، جس کا مفہوم بھی وہی ہے جو اردو میں تمدن کا ہے (۱۷)

ایم زیڈ صدیقی نے تہذیب (Culture) اور تمدن (Civilization) میں فرق کی وضاحت نہایت جامع الفاظ میں کی ہے، وہ کہتے ہیں:

ثقافت کی اصطلاح فکری ارتقا پر دلالت کرتی ہے، جبکہ تمدن معاشرتی ترقی کے بلند درجے کو ظاہر کرتا ہے، لہٰذا ثقافت ذہنی کیفیت کو بیان کرتی ہے، اور تمدن اس کے مساوی مظہر کی نمائندگی کرتا ہے، پہلے کا تعلق فکری عمل سے ہے، اور دوسرے کا مادی اکتسابات سے، پہلی ایک داخلی کیفیت ہے، جب کہ دوسرا خارجی دنیا میں اس کی عملیت کا نام ہے۔ (۱۸)

تہذیب کے حوالے سے ایک اور بات اہم ہے، تہذیب اجتماعیت کی بنیاد ہے، یہ انسانی معاشرے کو مجتمع کر کے انہیں ایک اکائی بنانے کی صلاحیت رکھتی ہے، علامہ آئی آئی قاضی لکھتے ہیں کہ تہذیب کی خاصیت یہ ہے کہ اس میں ہمیشہ وحدت سے کثرت کے لئے سوچا جاتا ہے، اس کی مثال اس طرح دی جاسکتی ہے کہ ایک فرد کو دھرتی پر تنِ تنہا چھوڑا جائے تو ظاہر ہے کہ اسے تہذیب کی ضرورت محسوس نہیں ہوگی، ایک فرد کی صورت میں تہذیب ممکن نہیں، اور نہ سوسائٹی کی تشکیل ہوسکتی ہے، لیکن کیا تنہا فرد کو تمدن کی ضرورت ہوگی؟ یقیناً ہوگی۔ (۱۹) علامہ صاحب آگے چل کر یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ ''مہذب فرد کے لئے سوسائٹی کے بغیر رہنا مشکل ہے'' اس بنا پر ''تہذیب کے معنٰی ہیں اجتماعیت اور اجتماعی مقاصد کے لئے زندگی بسر کرنا'' (۲۰) مزید کہتے ہیں کہ ''ہر وہ چیز جو اچھی ہے، بہتر ہے اور دنیا کے لئے بہتر ہے وہ کلچر میں شامل ہے، اب تہذیب کیا ہے؟ تہذیب دراصل سماجی کلچر ہے، جب کسی معاشرے میں جذبہ پیدا ہوتا ہے، شعور ابھرتا ہے، اخلاقی برتری پیدا ہوتی ہے تو اس طرح کے معاشرے کو تہذیب یافتہ کہتے ہیں، اور ان لوگوں کو مہذب کہتے ہیں، یہ ایک طرح سے تمدن کا حصہ ہے۔ (۲۱)

اس بحث سے تہذیب وتمدن کے مابین فرق بھی واضح ہوجاتا ہے یعنی جب تہذیب عملی شکل اختیار کرتی ہے تو

تمدن ظہور میں آتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں یوں سمجھئے کہ تہذیب سوچ اور عقیدے کا نام ہے۔ اور اس کے مطابق عمل تمدن کہلاتا ہے۔ چنانچہ کسی معاشرے میں لوگوں کا اٹھنا بیٹھنا۔ ملنا جلنا سیر وتفریح، درس وتدریس، کاروباری معاملات، حکومتی انتظامات سب کچھ اُن نظریات وعقائد (تہذیب) کے مطابق ہوتا ہے جو وہاں کے لوگ مجموعی طور پر اپنائے ہوئے ہوتے ہیں۔ (۲۲)

تہذیب کے ترکیبی عناصر:

وہ تکوینی عناصر جو مل کر کسی تہذیب کو جنم دیتے ہیں، جن کے ملنے سے انسانی معاشرے جنم لیتے اور تہذیب و ثقافت پروان چڑھتی ہے، وہ تین ہیں۔

۱۔ جغرافیائی عنصر Geographical Factor ۲۔ حیاتیاتی عنصر Biological Factor ۳۔ نظریاتی عنصر Ideological Factor

جغرافیائی عنصر:

کسی خاص مقام قبیلے یا علاقے کا ماحول اور اس کا گردوپیش، جس میں جائے وقوع، زمین کی ساخت، معدنی وسائل سب ہی شامل ہیں تہذیب کے پروان چڑھنے کا جغرافیائی عنصر سمجھے جاتے ہیں۔ جغرافیائی ماحول انسان کے رہن سہن، جسمانی ساخت، خیالات، افکار و اعمال، معاشرت د معیشت سب ہی پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ مفکرین کے ہاں جغرافیائی عنصر کی یہ اہمیت اور تہذیب کی تشکیل وارتقا میں اس کا کردار ہمیشہ سے زیر بحث رہا ہے، اس سلسلے میں بقراط کا یہ خیال ہم تک پہنچا ہے، وہ کہتا ہے: اکثر حالتوں میں آپ کو معلوم ہوگا کہ انسانوں کا جسم اور ان کی سیرت ملک کی نوعیت کے اعتبار سے بدلتے رہتے ہیں۔ (۲۳)

اس ضمن میں ایک محقق کا یہ قول بھی قابلِ غور ہے، ڈاکٹر سید عابد حسین کہتے ہیں: تہذیب کا ترکیبی عنصر جو طبعی ماحول اور سماجی حالات پر مشتمل ہے، خواہ نظریاتی عنصر کے مقابلے میں وہ اہم ہو یا نہ ہو لیکن تہذیب میں مقامی رنگ بھی پیدا کرتا ہے۔ (۲۴) جغرافیائی عنصر انسانی فکر کو متاثر کرنے کی صلاحیت بھی رکھتا ہے، ماہرین عمرانیات کے نزدیک یورپ میں ''وطنیت'' کا زیادہ عروج اسی سبب سے ہے، کیونکہ یورپ کے مخصوص جغرافیائی حالات وطنیت کے جذبے کو پروان چڑھانے کے لئے انتہائی سازگار فضا فراہم کرتے ہیں۔ اس کے برعکس ایشیا کا جغرافیائی محلِ وقوع وسعتوں کو جنم دیتا ہے اور عمومیت کو فروغ دیتا ہے، اسی وجہ سے ماضی میں جس قدر وسیع وعریض سلطنتوں کا قیام اس خطے میں ممکن ہو سکا یورپ میں اس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ (۲۵)

حیاتیاتی عنصر:

حیاتیاتی عنصر یا نسلی عامل میں رنگ، نسل اور زبان سمیت تمام وہ صلاحیتیں، عادات اور قابلیتیں شامل ہیں جو انسان کو وراثت میں اپنے اجداد سے منتقل ہوتی ہیں، اور جو رسوم و رواج کی شکل میں نسل در نسل منتقل ہوتی رہتی ہیں۔ ٹوئن بی کے الفاظ میں اس کی تعریف یہ ہے:

نسل کی اصطلاح سے مراد یہ ہے کہ انسانوں کے خاص گروہوں میں چند امتیازی وصف ہیں، جو ان کے جانشینوں میں بہ طور وراثت منتقل ہو جاتے ہیں۔(۲۶)

ان نسلی اوصاف میں شخصی اوصاف و خصائص کے ساتھ ساتھ جسمانی خصائص بھی شامل ہیں۔ علامہ ابنِ خلدون کی رائے یہ ہے کہ کسی خاندان کے اوصاف عام طور پر چار پشتوں تک چلتے ہیں کوئی خاندان مسلسل شرف و نسب کا مالک نہیں رہتا۔ لیکن ابنِ خلدون اس کے ساتھ ساتھ اس بات کی بھی وضاحت کرتا ہے کہ شرف و حسب کی زندگی و بقا کے لئے چار پشتوں کی حد کوئی قاعدہ کلیہ نہیں، کوئی خاندان اپنا شرف چار پشتوں تک بھی برقرار نہیں رکھ سکتا اور کوئی خاندان یہ سلسلہ پانچویں اور چھٹی پشت تک لے جاتا ہے لیکن چار پشتوں کے بعد زوال شروع ہو جاتا ہے۔(۲۷)

حیاتیاتی عنصر میں زبان کو بھی شامل کیا جا سکتا ہے، جسے تہذیب کا ایک اٹوٹ حصہ سمجھا گیا ہے۔ زبان جو انسان کو موروثی طور پر اپنے والدین سے ملتی ہے نہ صرف اس کی شناخت کا ذریعہ ہے بلکہ یہ تہذیب کو بھی زندہ رکھتی ہے کیونکہ تہذیبوں کے حالات، ان کی ادبیات اور دیگر ایجادات زبان ہی کی وجہ سے محفوظ رہتی ہیں۔ جو زبانیں آج فنا ہو چکی ہیں ان کی تہذیبوں کا بھی نام و نشان مٹ چکا ہے۔ مگر یہ ایک بدیہی حقیقت ہے کہ حیاتیاتی عنصر نسبتاً کمزور عنصر ہے اور بعض ماہرین کے نزدیک اس کی کوئی جداگانہ حیثیت بھی نہیں کیونکہ اگر ہم نسل کے سلسلے میں ٹوئن بی کی تعریف کو معیار قرار دیں جو ماقبل میں بیان کی گئی ہے تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ امتیازی وصف سے کیا مراد ہے؟ اگر اس سے مراد ان کے رسوم و رواج اور عادات و خصائل ہیں جو ان میں من حیث القوم پائے جاتے ہیں تب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ عادات و خصائل کس کے عطا کردہ ہیں؟ کیا ان کو ان کے طبعی ماحول نے یہ عادات اختیار کرنے پر مجبور کیا۔ یا پھر ان کو عقائد و نظریات نے یہ امتیازی وصف عطا کیا۔ ان دونوں صورتوں میں حیاتیاتی عنصر کی جداگانہ حیثیت پر ضرب لگتی ہے۔(۲۸)

نظریاتی عنصر:

تہذیب کے ترکیبی عناصر میں تیسرا اور اہم عنصر نظریاتی عنصر ہے، اس میں انسان کا پورا نظامِ فکر، اعتقادات، خیالات سب ہی شامل ہیں۔ تہذیب کی تشکیل اور تشکیل سے زیادہ اس کا رخ متعین کرنے میں انسان کا نظامِ فکر سب سے اہم کردار ادا کرتا ہے، خصوصاً حیات و کائنات کے بارے میں انسان کے خیالات سے انسان کے عمومی سماجی رویوں کا

انحصار ہوتا ہے۔ پھر اگر انسان کسی مذہب کو مانتا ہے تو یہ خیالات مذہبی نوعیت کے ہوں گے، اس اعتبار سے تہذیبی عناصر میں مذہب کا کردار بھی اہمیت رکھتا ہے، البتہ وہ نظریاتی عنصر کا ایک حصہ ہے۔ نظریاتی عنصر کی کسی بھی تہذیب کی ترتیب و تشکیل میں ایک نمایاں اہمیت ہے، جو اسے دیگر عناصر سے ممتاز کرتی ہے، وہ یہ ہے کہ جغرافیائی عنصر کسی بھی تہذیب میں مقامیت پیدا کرتا ہے اور اسے محدود کرتا ہے، اس میں قیود لگاتا ہے، جبکہ نظریاتی عامل تہذیبوں میں آفاقیت پیدا کرتا ہے اسے عالم گیریت عطا کرتا ہے، کیونکہ یہ فکری عنصر ان خیالات، نظریات اور اصولوں پر مشتمل ہوتا ہے، جو اقدار اعلیٰ کے شعور سے پیدا ہوتے ہیں اور وہ کسی خاص مقام کا پابند نہیں ہوتا بلکہ ایک ملک سے دوسرے ملک اور ایک قوم سے دوسری قوم میں پہنچ سکتا ہے۔ قدیم اور جدید تاریخ میں اس کی بہت سی مثالیں موجود ہیں۔ (۲۹)

اس سلسلے میں سب سے نمایاں مثال اسلام اور اسلامی تہذیب کی ہے، جو اپنے مخصوص اسلامی نظامِ فکر پر استوار ہے، اور جو دنیائے عالم کے ہر گوشے میں نہ صرف موجود ہے بلکہ اس کی اثر پذیری کی انتہائی غیر معمولی صلاحیت بھی سب کے سامنے ہے۔ تہذیب کے اس فکری پہلو کا اثر اس تہذیب کے ماننے والوں کی ثقافت پر بھی نمایاں ہوتا ہے، اس کی نمایاں مثال ہمارے پڑوس میں آباد ہندومت کے پیروکاروں سے دی جا سکتی ہے۔ ہندومت اور اسلام کا نظام فکر آپس میں یک سر متضاد بنیادوں پر استوار ہے، اس تضادِ فکر کے اثرات دونوں کی ثقافتی اقدار پر بھی نمایاں نظر آتے ہیں۔ ہندوؤں اور مسلمانوں کے مابین تہذیبی تفاوت کو بانی پاکستان قائداعظم محمد علی جناحؒ نے کئی مقام پر اپنی گفتگو میں واضح کیا ہے۔ ہم چند اقتباسات پیش کرتے ہیں۔ جن میں ہماری بات کی وضاحت بھی موجود ہے۔ مارچ ۱۹۴۰ء کے مسلم لیگ کے تاریخی اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے قائداعظمؒ نے فرمایا تھا:

ہندوؤں اور مسلمانوں کا تعلق دو مختلف مذہبی فلسفوں، معاشرتی روایات اور ادبوں سے ہے، وہ نہ آپس میں شادیاں کرتے ہیں، نہ مل بیٹھ کر کھاتے ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ ان کا تعلق دو مختلف تہذیبوں سے ہے، جو خاص طور پر متصادم خیالات و تصورات پر مبنی ہیں، زندگی پر اور زندگی کے متعلق ان کے تصورات مختلف ہیں۔ یہ بالکل واضح ہے کہ ہندو اور مسلمان تاریخ کے مختلف ماخذوں سے فیضان حاصل کرتے ہیں۔ (۳۰)

ایک مرتبہ قائداعظمؒ نے گاندھی کے نام اپنے ایک خط (۷ استمبر ۱۹۴۴ء) میں مسلمانوں کے قومی تشخص کا اظہار ان الفاظ میں کیا:

ہمارا دعویٰ ہے کہ قومیت کی ہر تعریف اور ہر معیار کی رو سے مسلمان اور ہندو دو بڑی قومیں ہیں۔ ہماری قوم دس کروڑ انسانوں پر مشتمل ہے اور مزید برآں یہ کہ ہم ایک ایسی قوم ہیں جو اپنے خاص تہذیب و تمدن، زبان و ادب، فنون و تعمیرات، رسوم و اصطلاحات، معیار اقدار و تناسب، تشریعی قوانین، ضوابط اخلاق، رسم و رواج، نظام تقویم، تاریخ و روایات اور رجحانات و عزائم رکھتی ہے، غرض یہ کہ ہمارا ایک خاص نظریہ حیات ہے اور زندگی کے متعلق ہم ایک ممتاز تصور رکھتے ہیں۔ (۳۱)

ایک اور موقع پر انہوں نے کہا:

تمام امور میں ہمارا انداز فکر ہندوؤں سے مختلف ہی نہیں بلکہ متضاد ہے۔ ہمارا وجود ہماری دنیا ہی مختلف ہے، آپ کو کوئی چیز بھی ایسی نہیں ملے گی جو ہمیں ہندوؤں سے ہم آہنگ کرتی ہو، ہمارا نام، ہماری غذا، ہمارا لباس سب کچھ ہندوؤں سے مختلف ہے، ہماری اقتصادی زندگی، ہمارا تعلیمی زاویہ نگاہ، خواتین سے ہمارا رویہ، حیوانات کے ساتھ ہمارا طرز عمل غرض کہ ہر نقطۂ نظر سے ہر اعتبار سے ہم ایک دوسرے سے واضح اختلاف رکھتے ہیں۔ گائے کے دیرینہ، دائمی اور مستقل قضیے ہی کو لیجئے، ہم گائے کو ذبح کرتے ہیں اور کھاتے ہیں، لیکن ہندو اس کی پوجا کرتے ہیں۔ (۳۲)

ایک مرتبہ طلبا کے ایک وفد سے ملاقات کے دوران ہندوؤں اور مسلمانوں کا تقابل یوں کیا:

لڑکو! تم نے ہندوؤں کی پوریاں دیکھی ہیں؟ بہ مشکل ہاتھ کی ہتھیلی جتنی، تم نے مسلمانوں کی چپاتیاں دیکھی ہیں؟ کتنی بڑی ہوتی ہیں۔ تم نے ہندوؤں کے مندر دیکھے ہیں؟ دن میں بھی اتنے تاریک کہ چراغ روشن کرنا پڑتا ہے، مسلمانوں کی مساجد دیکھو، کتنی کشادہ اور روشن ہوتی ہیں۔ ہندوؤں کی دھوتی پر غور کیا ہے؟ بہ مشکل نصف گز کی جس میں ستر بھی نہیں چھپتا، ہمارے ہاں سندھ میں آدھے آدھے اور ایک ایک تھان کی شلوار ہوتی ہے۔ (۳۳)

تہذیب وثقافت، مذہب اور اسلام کا امتیاز:

تہذیب وثقافت پر گفتگو کرتے ہوئے ایک اہم سوال جو درپیش ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ تہذیب اور مذہب سے کیا رشتہ ہے؟ یہ سوال جس قدر اہم ہے، اس کا جواب اسی قدر پیچیدہ ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ اول تو خود مذہب ہی کی تعریف متفق علیہ نہیں (۳۴) پھر اس کرۂ ارض پر کسی بھی شکل میں موجود آسمانی اور غیر آسمانی مذاہب کی تعلیمات کی نوعیت میں اس قدر اختلاف ہے کہ ان کو بنیاد بنا کر تہذیب محض کے بارے میں کوئی نقطۂ نظر قائم نہیں کیا جاسکتا، نہ ان کی بنیاد پر مذہب کے ساتھ تہذیب کے تعلق کو واضح کیا جاسکتا ہے۔ لیکن اسلام کا معاملہ اس سے مختلف ہے، وہ بدیہی طور پر یہ مبنی برحق دعویٰ کرتا ہے کہ وہ بہ حیثیت مذہب انسان کی پوری زندگی کو زیر بحث لاتا ہے۔ اور یہی جملہ اسلام کی بہ طور مذہب تعریف کے طور پر بھی پیش کیا جاسکتا ہے۔ اسلام اپنے آپ کو ایک دین کے طور پر پیش کرتا ہے، قرآن میں ارشاد ہے:

ان الدین عنداللہ الاسلام (۳۴) بلاشبہ دین تو اللہ کے نزدیک اسلام ہی ہے۔

اور دین کی اصطلاح انسان کے پورے نظامِ حیات پر حاوی ہے، اس لئے کہا جاسکتا ہے کہ اسلام کے ساتھ تہذیب کا تعلق سرسری نوعیت کا ہے، نہ اس کے تعلقات معاندانہ ہیں بلکہ یہاں تہذیب (Culture) مذہب اسلام کا ایک جز ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ تہذیب کے بارے میں اس قدر واضح ذہن کسی مذہب یا اہلِ مذہب کا نہیں ہوسکتا، جس قدر اسلام یا اہلِ اسلام کا ہے۔ اس میدان میں اسلام کا یہ امتیاز ہے۔

اسلامی تہذیب کا ایک اور اہم امتیاز یہ ہے کہ یہ کسی قسم کی محدودیت کی شکار نہیں ہو سکتی۔ہم تہذیب کے ترکیبی عناصر کے ضمن میں یہ بحث دیکھ چکے ہیں کہ اس کا ایک اہم عنصر جغرافیائی عنصر ہے اور دوسرا حیاتیاتی، اسلامی تہذیب کو ان دونوں عناصر سے کوئی علاقہ نہیں۔وہ محض تیسرے عنصر یعنی نظریاتی عنصر سے جنم لیتی، اسی کے سائے میں پروان چڑھتی اسی سے زندگی حاصل کرتی اور اسے کے زور پر پھلتی پھولتی ہے، یہی سبب ہے کہ اس میں بلال حبشی، صہیب رومی، سلمان فارسی، طفیل دوسی نبی رحمت، نبی برحق ہادیٔ اعظم محمد بن عبداللہ الہاشی المطلبی ﷺ ساتھ ایک ہی دستر خوان پر بیٹھے نظر آتے ہیں، ایک ہی صف میں مسجد نبوی میں بارگاہِ خداوندی میں صف بستہ کھڑے دکھائی دیتے ہیں اور ایک ہی رنگ میں یوں رنگے جاتے ہیں کہ آنے والے اجنبی کے لئے تمیز تک مشکل ہوتی ہے کہ پیغمبر کون ہے؟ اور امتی کون؟ حاکم کون ہے اور رعایا کون؟ آقا کون ہے اور غلام کون؟ یہی وہ خدائی رنگ ہے، جس سے بہتر کوئی رنگ ہو ہی نہیں سکتا، خدائے واحد کی وحدانیت اور اس کی جانب سے انسانیت کو عطا کئے جانے والے سب سے بڑے اعزازِ عبودیت اختیار کرنے کا یہ انعام بھی ہے اور اعلان بھی۔قرآن سچ کہتا ہے۔

صبغة الله ج ومن احسن من الله صبغة ز (۳۵)

اللہ کا رنگ (اختیار کرو) اور اللہ کے رنگ سے کس کا رنگ بہتر ہو سکتا ہے؟

اسلامی تہذیب اپنی ماہیت کے اعتبار سے ایک اہم خاصیت یہ رکھتی ہے کہ وہ ذاتی معاملات یا بعض معاشرتی اقتدار تک محدود نہیں، بلکہ وہ جیسا کہ عرض کیا گیا پورے نظامِ حیات پر حاوی ہے، جس میں فرد کے انفرادی رویے، خانگی امور، معاشرے سے روابط اور سماجی تقاضے، اجتماعی نظام اور تشکیل حکومت و نظامِ سیاست، امورِ مالی اور نظمِ معیشت سب ہی شامل ہیں۔مغرب اور اسلام کے تصورات میں یہ بنیادی فرق ہے، جس پر تمام تہذیبی اور ثقافتی اقدار کا انحصار ہے۔بعض سنجیدہ مغربی مفکرین کو بھی اس کا احساس ہے، ایک مفکر لکھتا ہے:

Islam (is) personal piety and worship of God in a framework of revealed univesal ethical principles which are to be implemented in human life. .... Islam in its personal pietism and Quranic ethical universalism is meant to do his. (36)

اسلام وحی پر مبنی آفاقی اخلاقی اقدار کے اندر انفرادی پاک بازی اور اللہ کی بندگی کا نام ہے۔اسلام اسے انسانی زندگی میں نافذ کرنا چاہتا ہے۔اسلام اپنی انفرادی پاک بازی کی تعلیمات اور قرآن کی آفاقی اخلاقیات کے تحت اسے روبہ عمل کرنے کا مطالبہ کرتا ہے۔

اسلامی تہذیب:

اس مرحلے پر سب سے اہم سوال یہ ہے کہ خود اسلامی تہذیب کیا ہے؟ اور اس کے عناصر ترکیبی جن سے یہ

تہذیب تشکیل اور ترتیب پاتی ہے کیا ہیں؟ یہ سوال موضوعِ زیرِ بحث کو واضح کرنے کے لئے تو اہم ہے ہی، اس بنا پر بھی اہم ہے کہ اس بارے میں مسلم مفکرین کی آرا مختلف ہیں، اور بعض صورتوں میں آپس میں تضاد بھی، خصوصاً تہذیب کے بنیادی عناصر یا اجزائے ترکیبی بیان کرتے ہوئے ہر ایک کی رائے جداگانہ ہے۔ ہم اس بحث کو نتیجہ خیز بنانے کے لئے مشتے از خروارے چند مثالیں بیان کریں گے، تاکہ ہمارا مفہوم واضح ہو سکے۔

تہذیب اسلامی کی تعریف کرتے ہوئے فیضی کا کہنا ہے کہ اسلامی تہذیب سے تین چیزیں مراد ہیں: ا۔ بلند ترین فکری سطح اور معیار جو اسلامی حکومت کے کسی دور میں پیدا ہوا۔ ب۔ تاریخی لحاظ سے وہ کامرانی جسے اسلام نے ادب، سائنس اور آرٹ کے میدان میں حاصل کیا۔ ج۔ مسلمانوں کا طریق زندگی، مذہبی عمل، زبان کے استعمال اور معاشرتی رسوم ورواج کے خصوصی ربط کے ساتھ۔ (۳۷) ایک اور مصنف زبیر صدیقی کہتے ہیں: اسلامی ثقافت، جہاں تک میں سمجھا ہوں، ایک مخصوص ذہنی مسلک کی نشاندہی کرتی ہے جو اسلام کی بنیادی تعلیمات سے مرتب ہوتا ہے، مثلاً وحدت ربانی، عظمت انسانی اور وحدت نسل انسانی کا عقیدہ۔ (۳۸) پروفیسر محمد ارشد خان بھٹی کا کہنا ہے: اسلامی تہذیب سے مراد وہ اسلامی عقائد ہیں جن پر ایمان لا کر ایک شخص مسلمان کہلاتا ہے اور ایک مخصوص طرزِ فکر اختیار کر لیتا ہے۔ اسلامی عقائد میں ایک خدا کو ماننا، اس کے فرشتوں، رسولوں، کتابوں اور آخرت کی زندگی پر ایمان لانا ضروری ہے۔ ان نظریات کے مطابق مسلمان اپنی زندگی میں اللہ کے دیئے ہوئے قوانین (قرآن) پر عمل کرتے ہیں اور اس طرح کی اسلامی معاشرت اسلامی تمدُّن کہلاتی ہے جس میں کلمۂ طیبہ کو ماننے والے نظامِ مساجد وصیام، زکوٰۃ کی ادائیگی اور حج کا بالخصوص التزام ہوتا ہے۔ (۳۹)

بعض مصنفین نے تہذیب اسلامی کے خصائص ضرور گنوائے ہیں، امتیازی اوصاف کا بھی عمدہ ذکر کیا ہے، مگر ان کے بیان کے طول وعرض سے تہذیب اسلامی کی کسی متفقہ تعریف کو اخذ کرنا مشکل ہے۔ (۴۰)

اصل میں جیسا کہ آغاز میں ذکر کیا گیا تہذیب کی اصطلاح ہمارے ہاں کلچر (Culture) کے متبادل استعمال ہوتی ہے۔ موجودہ مفہوم میں سب سے پہلے کلچر کا لفظ استعمال کیا گیا، چونکہ یہ اصطلاح متقدمین کے عہد موجود نہیں تھی۔ اس لئے ان کے ہاں اس کے مباحث نہیں ملتے۔ البتہ متاخرین بلکہ عہد جدید کے قلم کاروں نے اس پہ خامہ فرسائی کی ہے۔ اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اہل مغرب کے ہاں کلچر کی تعریف پر نظر ڈال لی جائے۔ گو کہ یہ اصطلاح ان کے ہاں بھی کوئی متفقہ مفہوم نہیں رکھتی۔ مگر عام کلچر کے جو معنیٰ ان کے ہاں استعمال ہوتے ہیں وہ یہ ہیں، اصلاح کرنا۔ عیوب سے پاک کرنا۔ بہتر بنانا۔ درست کرنا۔ تعلیم وتربیت دینا۔ خوش اخلاق بنانا (۴۱)

اس کی روشنی میں تہذیب اسلامی کی تعریف یہ کی جاسکتی ہے۔

ایسی تہذیب جو انسان کی علمی، فکری اور عملی اصلاح کر کے اور اُسے تعلیم وتربیت سے آراستہ کر کے دنیا وآخرت دونوں زندگیوں میں کامیاب ہونے والا فرد بنا دے۔

تہذیبِ اسلامی کے عناصر ترکیبی:

جیسا کہ عرض کیا گیا اس باب میں بھی مسلم مفکرین اہلِ قلم کے ہاں کافی اختلاف پایا جاتا ہے۔ہم اپنی محدود گنجائش کے پیشِ نظر اس سے صرفِ نظر کرتے ہیں۔اوپر مذکور ہونے والی تہذیب اسلامی کی تعریف کی رو سے اس کے یہ چند اہم عناصرِ ترکیبی معلوم ہوتے ہیں۔ا۔عقائد ۲۔عبادات ۳۔اخلاق۔

ان عناوین کی تفصیل خاصی دل چسپ بھی ہے اور طویل بھی۔ہم اپنے موضوع پر رہتے ہوئے خصوصیت کے ساتھ تہذیب اسلامی کے صرف ان اجزا کا تفصیلی ذکر کریں گے جن کا تہذیبِ اسلامی کے عالم گیر تصور کو نمایاں کرنے میں کردار نہایت اہم ہے، اور جن کی بنیاد پر اسلامی تہذیب ایک ایسے عالم گیر تصور کی حامل ہے، جو پوری انسانیت کے درد کا مداوا، اس کے مسائل کا حل اور مصائب و مسائل کے بوجھ تلے سسکتی انسانیت کے لئے واحد جائے امن ہے۔

عقائد:

انسان کے نظامِ فکر میں سب سے اہم نکتہ اس کے اعتقادات کا ہے، یہ اعتقادات کس نوعیت کے ہیں؟ اس سوال کے جائزے سے انسانی شخصیت کی بہت سی پرتیں کھلتی ہیں اور اس کے دوسرے امور اور معاملات کا جائزہ لینا بھی آسان ہو جاتا ہے۔تہذیب و تمدن اور فنون و ثقافت کا بھی کوئی میدان اس کے اثرات سے آزاد نہیں ہے۔ ہماری اس بات کی تصدیق و تفہیم کیلئے دنیا کے چند بڑے مذاہب کی تعمیرات کو دیکھ لیجئے، اور ان کی عبادت گاہوں کا جائزہ لیجئے، پھر ان کے عقائد کا مطالعہ کیجئے۔ان کے نظامِ فکر اور نظامِ تعمیر میں مماثلتیں خود بہ خود آپ کے سامنے ظاہر ہو جائیں گی۔ چونکہ ہم تہذیب اسلامی کے حوالے سے گفتگو کر رہے ہیں، اس بنا پر عقائد سے یہاں اسلامی عقائد مراد ہیں۔

اسلامی عقائد کی بنیاد ان تین نکات پر ہے۔ا۔توحید ۲۔رسالت ۳۔آخرت

توحید:

توحید کائنات کی سب سے بڑی سچائی ہے۔توحید انسانی عروج و زوال کا پیمانہ اور اصلاحِ احوال کی صورت حال کو ماپنے کی کسوٹی ہے۔ یہ وہ امتحان گاہ ہے جہاں سے کامیاب ہونے والا ہر قدم کامرانیوں سے سرفراز ہوتا ہے، اور یہاں ٹھوکر کھا جانے والا پھر کہیں کا نہیں رہتا۔

نسلِ انسانی کے آغاز کے بارے میں دو نقطۂ نظر ہیں، سائنس کہتی ہے کہ یہ کارخانۂ قدرت خود بہ خود معرض وجود میں آیا۔اور ''اندھی'' قوتوں کے زیرِ اثر اپنے طبعی فرائض پورے کر رہا ہے، دیکھا جائے تو وہ قوتیں اندھی نہیں، جن کے زیرِ اثر اہل سائنس کی کائنات چل رہی ہے، بلکہ اندھے کہلانے کے مستحق تو وہ خود ہیں جنہیں ''ان دیکھی'' قوت نظر

نہیں آتی۔ جس کے شواہد سے اس کائنات کا کوئی حصہ خالی نہیں۔ دوسرا نقطۂ نظر قرآن کا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ نسلِ انسانی کا آغاز حضرت آدم اور حوا علیہما السلام کی پیدائش سے ہوا۔ ابتدا میں معاملات درست ڈگر پر رواں دواں رہے، پھر آہستہ آہستہ ان میں بگاڑ آتا گیا۔ پھر انبیائے کرام کی آمد کا سلسلہ شروع ہوا۔

كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً قف فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ ص وَاَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ (۴۲)

پہلے سب لوگ ایک ہی گروہ تھے پھر (جب ان میں اختلاف ہوا تو) اللہ نے نبی بھیجے جو خوش خبری دیتے اور ڈراتے تھے اور ان کے ساتھ سچی کتاب بھی نازل کی تاکہ اللہ اختلافی باتوں میں لوگوں کے درمیان فیصلہ کردے۔

قرآن سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ ہر قوم میں انبیائے کرام کی آمد ہوئی ہے۔ قرآن حکیم میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے ارشاد ہے:

اِنَّمَا اَنْتَ مُنْذِرٌ وَّ لِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ o (۴۳)

بے شک آپ کا کام تو خبردار کر دینا ہے اور ہر قوم کے لئے ایک ہادی ہوا ہے۔

مزید فرمایا:

وَلِكُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلٌ ج (۴۴) اور ہر امت کے لئے ایک رسول ہوا ہے۔

توحید کی درست اور مکمل شکل وہی ہے جو انبیائے کرام کی تعلیمات سے ثابت ہے، مگر خود یہ بات تحقیق طلب ہے کہ انبیائے کرام کی تعلیمات کس حد تک کائنات کے سفر میں آنے والے مد و جزر سے محفوظ رہیں، اور آج جو کچھ ہمارے پاس ہے وہ کس حد تک صاف اور واضح ہے، اس باب میں اگر کوئی چیز شک و شبہ سے بالاتر قرار دی جاسکتی ہے وہ اسلامی تعلیمات ہیں، جس کے بنیادی مآخذ دو ہیں۔ قرآن وسنت۔ توحید کے بنیادی نکات اور ان کی تشریح خود قرآن کریم سے ثابت ہے۔ اس بنا پر اس باب میں اسلام کا تصورِ توحید سب سے ممتاز، مستند اور عقل و شعور کے زیادہ قریب ہے۔

نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثتِ مبارکہ نے ایک بار پھر دنیا کو مفاہیم توحید سے روشناس کرایا۔ اس سے قبل گمراہیوں کے گرداب میں مبتلا یہ کائنات توحید کے مفہوم و مقاصد دونوں سے عملاً ناآشنا ہو چکی تھی۔ توحید کا مفہوم یہ ہے کہ اس کائنات کا ایک خالق ہے، جس نے اسے پیدا کیا، اور وہی اس کے اس وسیع و عمیق نظم و نسق کو چلا رہا ہے، اسی کو اسلام اللہ کہتا ہے، وہی ذات تمام کائنات کی مالک، مختار، خالق، رازق، زندگی اور موت دینے والی ہے۔ اس کا کوئی شریک و سہیم نہیں۔ وہ اپنی ذات وصفات میں یکتا و تنہا ہے۔ قرآن کہتا ہے

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌo اَللّٰهُ الصَّمَدُo لَمْ يَلِدْ لا وَلَمْ يُوْلَدْo وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌo (۴۵)

کہہ دیجئے کہ وہ اللہ ایک ہے، اللہ بے نیاز ہے، نہ اس کی کوئی اولاد ہے، نہ وہ کسی کی اولاد ہے، اور نہ اس کا کوئی ہم سر ہے۔

یعنی وہ تنہا، واحد، اور بالکل ایک ہے، اس کے اجزا کا تصور ہی نہیں، وہاں نہ اجزائے عقلیہ ہیں نہ خارجیہ، اور یہ یکتائی اس کی صفت ہے، جو نا قابلِ تقسیم ہے، وہ احد ہے۔ کثرت کو اس کی ذات میں دخل ہی نہیں۔ پھر وہ صمد ہے، صمدیت احدیت کا لازمی نتیجہ ہے۔ صمد کے معنیٰ ہیں، پاک و بے نیاز، جس کی طرف خلق کا رجوع ہو، جو کھانے پینے، بھوک اور پیاس سے پاک ہو۔ جو ہر طرح کے احتیاج اور ضرورت سے پاک ہو، صمد وہی ہے، جو کسی کا بھی محتاج نہ ہو، نہ وجود کیلئے، نہ بقائے وجود کے لئے۔ وہ خود ہی سب کچھ ہو، کسی اصل و فرع، شاخ اور جڑ کسی چیز کے تصور کا بھی وہاں گزر نہ ہو، اس کے نہ بیٹے بیٹیاں ہیں، نہ ماں باپ، اس کی نہ ابتدا ہے، نہ انتہا، اس کا نہ کوئی مثل ہے نہ مقابل، نہ کوئی ہم سر ہے۔ (۴۶)

حقیقت یہ ہے کہ عقیدۂ توحید آفاقیت کا مظہر ہے، اس کے بالمقابل شرک محدودیت کو جنم دیتا ہے، کیونکہ شرک کا معاملہ محض چند اعتقادات کا مذہبی معاملہ نہیں بلکہ یہ پورے انسانی نظامِ حیات کو متاثر کرتا ہے۔ توحید کا فطری جذبہ انسان کو ایک دربار میں جھکنے پر مجبور کرتا ہے، جب یہ جذبہ فساد کا شکار ہوتا ہے تو اس کا جذبۂ خود سپردگی تو موجود رہتا ہے، اس کا فطری اظہار برقرار نہیں رہتا۔ یہی عقیدے کے بگاڑ اور فساد کی بنیاد ہے۔ ایسے میں انسان خالق سے تعلق توڑ کر مخلوق میں اپنے جذبۂ عبودیت کی تسکین تلاش کرتا ہے، حالانکہ پوری کائنات مخلوق ہے، اس بنا پر اس میں موجود ہر چیز مخلوق ہے، اسے مقدس قرار دینا ظلم ہے، اسی کو شرک کہتے ہیں۔ ظلم کی تعریف یہ کی گئی ہے:

وضع الشئی فی غیر موضعه المختص به (۴۷)

کسی چیز کو ایسی جگہ پر رکھنا جو اس کی اصل جگہ نہ ہو۔

کسی بھی مخلوق کو خالق کے مقام پر فائز کرنے سے بڑا ظلم کیا ہوگا؟ اسی لئے قرآن شرک کو صرف ظلم نہیں ظلمِ عظیم کہتا ہے۔ (۴۸)

انسان جب اپنی راہِ ہدایت سے بھٹکا تو اس نے فطرت کو پوجنا شروع کر دیا اور اسے مقدس قرار دے دیا۔ پھول پودے، جنگ، ریت، پہاڑ، سمندر، دریا، چاند، تارے، سورج کچھ محفوظ نہیں رہا۔ حالانکہ یہ سب مخلوق تھے، اور انسان کے خادم، انہیں تو حضرت انساں کی خدمت کے لئے مسخر کیا گیا تھا۔ دیکھئے اس باب میں قرآن کریم کی ہدایات کس قدر واضح ہیں

وَسَخَّرَ لَكُم مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا مِّنْهُ ط إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ ٥ (۴۹)

اور جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے وہ سب اس نے تمہارے لیے مسخر کر دیا۔ یقیناً غور کرنے

والوں کے لیے ان میں (بھی) بہت سی نشانیاں ہیں۔

وسخر لکم اللیل والنھار والشمس والقمر والنجوم مسخرات بامرہ ان فی ذالک لآ یات لقوم یعقلون o (۵۰)

اور اس نے رات اور دن اور سورج اور چاند کو بھی تمہارے لئے مسخر کر دیا اور ستارے بھی اسی کے حکم کے تابع ہیں۔ بے شک اس میں عقل مند قوم کے لئے نشانیاں ہیں۔

نتیجہ یہ ہے کہ وہ مخلوق جسے ہمارے لئے مسخر کر کے ہمارا خادم قرار دیا گیا تھا اسے مقدس قرار دے کر ہم نے ترقی کی راہیں خود اپنے لئے مسدود کر لیں۔ اسلام نے توحید کے صحیح تصور سے دنیا کو آشنا کر کے انسان کے لئے تحقیق اور ترقی کی راہیں وا کیں۔ اگر ترقی کے صرف ایک پہلو مادی اور سائنسی ترقی کی جانب ہی نظر کریں تو ہم دیکھیں گے کہ اسلام سے قبل ستاروں کو صرف پرستش کا مرکز تصور کیا جاتا تھا۔ اسلام نے آ کر انسان کو غور وفکر کی راہ پر گام زن کیا۔ پھر انسان نے رصد گاہیں تعمیر کیں اور فلکیات پر عظیم الشان تحقیقات سامنے آئیں۔ اسی طرح اسلام سے قبل درختوں سے پراسرار کہانیاں وابستہ تھیں، جن کے بہ موجب درختوں کو بھی مقدس اور قابلِ تعظیم تصور کیا جاتا تھا۔ اسلام نے ان کہانیوں کو یک سر مسترد کر کے انہیں مخدوم سے خادم کے درجے پر فائز کیا۔ تب انسان اس قابل ہوا کہ وہ نباتات پر تحقیق کا آغاز کرے۔ یہی حال زمین، آسمان، چاند، سورج وغیرہ دیگر اجرامِ فلکی سمیت دوسری مخلوقات کا ہے۔ (۵۱)

اسلام کا پیغام توحید لا سے شروع ہوتا ہے، لا الٰہ کہہ کر اسلام سب سے پہلے شرک کے وہ تمام کانٹے اور جھاڑ صاف کرتا ہے جو توحید کی فصل کے لئے کسی صورت بھی مضر ثابت ہو سکتے ہیں۔ پھر الا اللہ سے ایک خدا کا اثبات کرتا ہے۔ یہ اسلوب اسلامی معاشرے سے غیر اللہ کا ہر نقشِ فاسد مٹا دیتا ہے، پھر وہ فضا تیار ہوتی ہے جس میں اسلامی تہذیب پروان چڑھتی ہے، اور اسے اپنی وسعتوں اور آفاقیت کے اظہار کا موقع ملتا ہے۔ اسلامی تہذیب کی خشتِ اول یہی توحید ہے۔ اس کا سب سے زیادہ موثر اظہار یہ ہے کہ اسلامی تہذیب پوری انسانیت کو ایک نگاہ سے دیکھتی ہے، وہ جغرافیائی، لسانی، حیاتیاتی کسی نوعیت کی محدودیت سے کوئی علاقہ نہیں رکھتی۔ اس کی آغوشِ رحمت میں آ جانے والا ہر شخص مومن ہے، اور اس سلسلے میں وہ نہ کسی ابہام کی شکار ہو سکتی ہے نہ کسی تعصب کی۔ دنیا بھر کی تہذیبوں میں یہ افتخار صرف اسلام اور اس کی تہذیب کو ہی حاصل ہے۔

شرک ہر طرح انسانیت کے لئے ضرر رساں ہے، اس کی وضاحت ایک مثال سے ہو سکتی ہے۔ ہندوؤں اور ہندومت کے عام تصورات کے مطابق کسی جان کو مارنا سب سے بڑا گناہ ہے، اور چونکہ گوشت کو بہ طور غذا استعمال کرنے کے لئے جان دار کو مارنا پڑتا ہے، اس لئے گوشت کا استعمال ممنوع ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ گائے ان کے ہاں دیوی (Goddess) کا درجہ رکھتی ہے، چنانچہ اسے کیسے کھایا جا سکتا ہے؟ ان تصورات نے ہندو کو سبزی خور قوم بنا دیا ہے، جس

کے نتیجے میں ان کے ہاں غذائیت کی کمی کے مسائل جنم لے رہے ہیں۔ ۱۹۶۷ء میں اس وقت کے انڈین ایگری کلچرل انسٹی ٹیوٹ، نئی دہلی کے ڈائریکٹر ڈاکٹر ایم ایس سوامی ناتھن کے ایک بیان نے پورے انڈیا کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔ ان کا کہنا تھا کہ متوازن غذا کا تصور اگرچہ نیا نہیں، مگر دماغ کے ارتقا کے سلسلے میں اس کی اہمیت ایک نئی حیاتیاتی دریافت ہے۔ اب یہ بات قطعی ہے کہ چار سال کی عمر میں انسانی دماغ ۸۰ فیصد سے لے کر ۹۰ فیصد تک اپنے پورے وزن کو پہنچ جاتا ہے۔ اور اگر اس نازک مدت میں بچے کو مناسب پروٹین نہ ملے تو اس کا دماغ اچھی طرح نشوونما نہیں پا سکتا۔ اس لئے اگر ناقص تغذیہ اور پروٹینی فاقے (Protein hunger) کے مسئلے پر جلد توجہ نہیں دی گئی تو اگلے دو دہوں میں ہمیں یہ منظر دیکھنا پڑے گا کہ ایک طرف متمدن قوموں کی ذہنی طاقت (Intellectual power) میں تیزی سے اضافہ ہو رہا ہے اور دوسری طرف ہمارے ملک میں ذہنی بونا پن بڑھ رہا ہے۔ نوجوان نسل کو پروٹینی فاقے سے نکالنے میں اگر ہم نے جلدی نہ کی تو اس کا یہ سنگین نتیجہ برآمد ہوگا کہ ہر روز ہمارے یہاں دس لاکھ ذہنی بونے (Intellectual dwarfs) وجود میں آئیں گے۔ اس کا بہت کچھ اثر ہماری نسلوں پر حالیہ برسوں ہی میں پڑ چکا ہوگا۔ اس لئے حکومت کو چاہئے کہ اپنی کاروائیوں کے ذریعے عوام کے اندر پروٹینی شعور ((Protein consciousness) پیدا کرے اور اس سلسلے میں رائے عامہ کو ہموار کرے۔ (۵۲)

اگرچہ ہندو انتہا پسندی کے احتجاج کے سبب ڈاکٹر ناتھن کو خاموش ہونا پڑا۔ دیکھئے خالصتاً غذائی مسئلہ محض شرک کی وجہ سے کس طرح مقدس مسئلے کی شکل اختیار کر گیا؟ اور خود سائنس کو دیکھئے کہ اس کا تجزیہ کہتا ہے کہ گوشت انسان کے لئے ناگزیر ہے۔ یعنی توحید اور ایک اللہ کی تعلیمات کس طرح عملی زندگی میں ہماری راہ نمائی کر رہی ہیں، اور کس طرح انسانی ذہن کی آب یاری میں مصروف ہیں۔ اور ایک مشرک ذہن کس طرح ذہنی بونے پن کا شکار ہو رہا ہے۔

شرک ذات پات اور اونچ نیچ کی بھی بنیاد ہے۔ یہ اس سے نبی رحمت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تشریف لا کر انسانیت کو آزادی دلائی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

قد اذهب الله عنكم عبية الجاهلية وفخرها لاباء، ومومن تقي وفاجر شقي والناس بنو آدم وآمن تراب (۵۳)

بے شک اللہ نے جاہلیت کے غرور اور نسلی فخر کا خاتمہ کر دیا۔ اب انسان یا تو صاحبِ تقویٰ مومن ہے یا گنہ گار بد بخت ہے۔ تمام لوگ آدم کی اولاد ہیں اور آدم مٹی سے پیدا کئے گئے۔

حقیقت یہ ہے کہ شرک کے تہذیبی نقصانات کو اگر شمار کیا جائے تو ایک طویل فہرست تیار ہوگی، اور اسے بھی مکمل فہرست قرار دینا ممکن نہیں ہوگا۔ (۵۴) توحید کے اثرات اور اسلامی تہذیب کے عالم گیر تصور کو پروان چڑھانے میں توحید کے کردار کے حوالے سے یہ چند اشارے کئے گئے۔ اس بحث کے اختتام پر ہم مشہور مورخ ٹوئن بی (Arnold J.

(Tony Bee) کا ایک اقتباس دینا چاہیں گے، جس میں اس نے اسلامی معاشرے میں توحید کے نہایت گہرے، دائمی اور ہمہ گیر اثرات کا تجزیہ کیا ہے، وہ کہتا ہے۔

محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں رومی سلطنت کی زندگی کی دو خصوصیات بہت ہی اہم ہیں جن سے ایک عام عربی ذہن بہت گہرا اثر لے سکتا تھا۔ کیونکہ عرب میں دو خصوصیات موجود نہ ہونے کی وجہ سے بہت ہی زیادہ قابلِ توجہ تھیں۔ ان خصوصیات میں سے پہلی توحید پر مبنی مذہب تھا اور دوسری قانون اور حکومت کا نظم و نسق تھا۔ محمد ﷺ زندگی بھر کی جدوجہد ان عناصر کو جو روم کی سماجی زندگی کے بنیادی عناصر تھے انہیں عرب کے مقامی حالات میں ڈھالنے اور انہیں عرب کے توحید پر مبنی مذہب اور ایک ہی آقا کے ماتحت عرب کی سلطنت کی تشکیل میں استعمال کرنے پر مبنی ہے۔ یعنی ایسا ادارہ جو ہمہ گیر ادارے اسلام پر مبنی تھا جس میں وہ کامیاب بھی ہوئے کہ انہوں نے ایک نئی عظیم الشان قوت محرکہ فراہم کردی جسے ان وحشی اور بدوی مزاج رکھنے والے عرب کی ضروریات کے لئے تشکیل دیا گیا تھا اور پھر یہ نظام اس جزیرہ نما کی سرحدوں سے باہر نکل گیا اور اس نے پوری عرب دنیا اور شامی دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے لیا جو اوقیانوس کے ساحلوں سے لے کر یوریشیا کی سرحدوں تک پھیلا ہوا تھا۔(۵۵)

رسالت:

رسالت اسلامی نظام عقائد کا دوسرا اہم رکن ہے، اور اسلامی تہذیب کی اساس و بنیاد کا دوسرا اہم ترین حصہ ہے۔ انسان خود اپنی حقیقت جاننے سے بھی عاجز ہے، فلسفہ پوری تاریخ انسانی کی سرگردانی کے باوجود آج تک اس سوال کا جواب نہیں جان سکا۔ کیونکہ جیسے اس کی سوچ محدود ہے، اسی طرح اس کا علم بھی محدود ہے، جس طرح انسان کے لئے یہ ممکن نہیں کہ سامنے نظر آنے کے باوجود سورج کو براہِ راست آنکھ سے دیکھ سکے، اسی طرح حقیقت کا براہِ راست مشاہدہ بھی اس کی طاقت سے ماورا ہے۔ یہ راہ نمائی اسے اللہ تعالیٰ ہی فراہم کرسکتا ہے، اور اللہ تعالیٰ کی راہ نمائی انسان تک پہنچانے کا فریضہ ایک رسول سرانجام دیتا ہے۔ علم العقائد میں رسالت کی بحث کے تین بنیادی حصے ہیں۔

۱۔ تمام رسولوں پر ایمان لانا ۲۔ تمام رسولوں پر نازل ہونے والی کتب اور صحیفوں پر ایمان لانا۔ اور ۳۔ نبی آخر الزماں علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خاتم النبیین تسلیم کرنا۔

اسلامی تہذیب کے عالم گیر تصور میں ان تینوں پہلوؤں کا کردار اہم ہے، جب ہم تمام انبیائے کرام پر بلا استثنا ایمان لانے کو ضروری قرار دیتے ہیں تو ہم ان انبیا اور ان کی امتوں کے مابین فرق نہیں کرتے۔ یہ عقیدہ آفاقیت کا مظہر ہے۔ قرآن واضح طور پر انبیائے کرام کے مابین اس نوعیت کی تفریق کو رد کرتا ہے، سورہ النساء میں ارشاد ہے:

ان الذین یکفرون باللہ ورسلہ ویریدون ان یفرقوا بین اللہ ورسلہ ویقولون نومن

ببعض ونکفر ببعض ویریدون ان یتخذوا بین ذالک سبیلاً o اولٓئک هم الکٰفرون حقاً و اعتدنا للکٰفرین عذاباًمهیناً o (۵۶)

بلاشبہ جولوگ اللہ اوراس کے رسول کے ساتھ کفر کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ اللہ اوراس کے رسولوں کے درمیان تفریق کریں، اور کہتے ہیں کہ ہم بعض کو مانتے ہیں، اور بعض کونہیں مانتے اور یوں چاہتے ہیں کہ درمیان کی ایک راہ نکالیں، وہ لوگ پکے کافر ہیں۔ اور ہم نے کافروں کے لئے ذلت والا عذاب تیار کر رکھا ہے۔

اسی طرح تمام انبیائے کرام اوران پر نازل شدہ کتب اورصیفوں پر بھی ایمان لانا درحقیقت پوری انسانیت کو ایک لڑی میں پرونا ہے، اس تفرقے کا سبب وہ بنتے ہیں جوان تعلیمات کو جھٹلاتے، یاان کے مابین کسی قسم کی تفریق کوروا رکھتے ہیں۔

عقیدۂ رسالت کا تیسرا جز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا خاتم النبین ہونا ہے۔ آپ کی بعثت مبارکہ سے قبل نبوت مقامی تھی، علاقائی اور محدود تھی۔ آپ کی نبوت کو پہلی بار آفاقیت کا درجۂ فضیلت عطا کیا گیا۔ قرآن کریم میں خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہلوایا گیا۔

قل یاایھاالناس انی رسول الله الیکم جمیعا (۵۷)

اے پیغمبر! آپ کہہ دیجئے کہ اے لوگو! میں تم سب کے لئے رسول بنا کر مبعوث کیا گیا ہوں۔

دوسرے مقام پر فرمایا۔

ومارسلنک الا کافة للناس بشیراًو نذیرا (۵۸)

اور ہم نے آپ کو تمام لوگوں کے لیے خوش خبری سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے ۔

اس بناپر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سابقہ شرائع کی تنسیخ فرمادی۔ قرآن حکیم میں ہے۔

ومن یبتغ غیر الاسلام دیناً فلن یقبل منه وهو فی الآخرة من الخسرین o (۵۹)

اور جو کوئی اسلام کے سوا کسی اور دین کو چاہے گا تو وہ اس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا، اور وہ آخرت میں خسارہ پانے والوں میں سے ہوگا۔

اب آپ کو ختم نبوت سے سرفراز فرمادیا گیا۔ آپ نہ صرف افضل الرسل ہیں، بلکہ آپ پرسلسلۂ رسالت ونبوت بھی ختم فرمادیا گیا۔ اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نہ کوئی نبی آئے گا نہ رسول، اب قیامِ قیامت تک صرف آپ ؐ کی ہی رسالت کا چراغ فروزاں رہے گا، اور آپ ہی کی نبوت سے استفادے کی اجازت ہوگی۔ قرآن حکیم میں فرمایا:

ماکان محمد ابا احد من رجالکم ولکن رسول الله وخاتم النبین (۶۰)

محمد تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں، مگر وہ اللہ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں۔

اور خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

كانت بنو اسرائيل تسوسهم الانبياء كلما هلك نبي خلفه نبي، وانه لا نبي بعدي وستكون خلفاء فتكثر (٦١)

بنی اسرائیل کی قیادت انبیاء کیا کرتے تھے۔ جب کوئی نبی وفات پاجاتا تو دوسرا نبی اس کا جانشین ہوتا، مگر میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا۔ بلکہ خلفا ہوں گے۔

اسی طرح حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ان مثلي و مثل الانبياء من قبلي كمثل رجل بنى بيتا فاحسنه وا جمله الا موضع لبنة من زاوية، فجعل الناس يطوفون به ويعجبون له ويقو لون، هلا وضعت هذه اللبنة، قال فانا اللبنة وانا خاتم النبيين (٦٢)

میری اور مجھ سے پہلے (گزرے ہوئے) انبیاء کی مثال ایسی ہے جیسے کسی شخص نے ایک گھر بنایا اور اس میں ہر طرح کا حسن وخوب صورتی پیدا کی، لیکن ایک کونے میں ایک اینٹ کی جگہ چھوٹ گئی۔ اب تمام لوگ آتے ہیں اور مکان کو چاروں طرف سے گھوم پھر کر دیکھتے ہیں اور حیرت زدہ رہ جاتے ہیں، لیکن یہ بھی کہتے جاتے ہیں کہ یہاں پر ایک اینٹ کیوں نہ رکھی گئی؟ تو میں ہی وہ اینٹ ہوں اور میں خاتم النبیین ہوں۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

فضلت على الانبياء بست، اعطيت جوامع الكلم، ونصرت بالرعب، واحلت لي الغنائم، وجعلت لي الارض طهورا ومسجدا، وارسلت الى الخلق كافة وختم بي النبيون (٦٣)

مجھے انبیاء پر چھ چیزوں کے ذریعے فضیلت عطا کی گئی ہے۔ مجھے جوامع الکلم عطا کئے گئے۔ اور رعب کے ذریعے میری مدد کی گئی۔ اور میرے لیے مالِ غنیمت حلال کیا گیا۔ اور میرے لیے زمین کو پاک اور مسجد قرار دے دیا گیا۔ اور مجھے تمام مخلوق کی طرف پیغمبر بنا کر مبعوث کیا گیا۔ اور نبیوں کا سلسلہ مجھ پر ختم کر دیا گیا۔ (٦٤)

عقیدۂ ختمِ نبوت کا تہذیبی اثر بھی اسلامی تہذیب کی عالمگیریت کی شکل میں دیکھا جاسکتا ہے، کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فیضانِ رسالت عام ہے، پاکستان سے مراکش تک اور جزائر غرب الہند سے ٹیکساس تک ہر فرد و بشر کے لئے

دربارِ نوبت کے دروازے یک ساں طور پر کھلے ہوئے ہیں۔

آخرت:

آخرت اسلامی عقائد کا تیسرا اہم جز ہے، جس کا مفہوم یہ ہے کہ موجودہ دنیا کے بعد ایک اور دنیا ہے، جہاں ہمیں ہمیشہ رہنا ہے۔ اِس دنیا میں ہمارا عمل دخل ہماری وفات کے بعد ختم ہو جائے گا، پھر نئی دنیا کے معاملات کا آغاز ہوگا۔ یہ دنیا انسان کے لئے امتحان گاہ کا درجہ رکھتی ہے۔ یہاں انسان کو ایک خاص عرصے تک کے لئے اس لئے بھیجا گیا ہے کہ وہ اگلے جہان کے لئے تیاری کرے۔ فصل بوئے، اور اس کے نتائج کا انتظار کرے۔ جب ہمیں کوئی چیز حاصل ہوتی ہے تو خوشی و مسرت کی کیفیت میں ہم یہ سوچنا بھول جاتے ہیں کہ اس چیز کا منبع و ماخذ کہاں ہے؟ یہ ہمیں کہاں سے اور کیوں حاصل ہوئی؟ اور یہ ہمارے پاس کب تک رہے گی؟ لیکن جب کوئی چیز ہم سے کھو جاتی ہے تو ہمیں اس سے اس قدر دکھ اور تکلیف پہنچتی ہے کہ ہم یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتے ہیں کہ یہ کیسے کھوئی؟ اور اس کے دوبارہ حاصل ہونے کی امید ہے یا نہیں! اور اس کے اسباب و علل کیا ہیں؟ کیونکہ جو چیز انسان کی حسّیات کو جس قدر زیادہ ٹھیس پہنچاتی ہے اسی قدر زیادہ وہ قوتِ فکر کو حرکت میں لاتی ہے۔ یہی حال موت اور زندگی کا بھی ہے، ہمیں اس بات کی زیادہ پروا نہیں ہوتی کہ ہمارے اندر دوڑنے والی حیات کہاں سے آئی؟ اور اس کا آغاز کس طرح اور کیونکر ہوا؟ لیکن موت اور اس سے متعلقہ سوالات پر ہم زیادہ توجہ دیتے ہیں کہ ان سے ہمارا مستقبل وابستہ ہے۔ (٦٥) آخرت پر یقین اور مر کر دوبارہ اٹھائے جانے اور پھر ایک نئی ابدی اور دائمی زندگی کے آغاز کا اعتقاد انسان کے اندر وہ جذبہ پیدا کرتا ہے جس کے زیرِ اثر انسان جو اس دنیا کو محض عارضی قیام گاہ تصور کرتا ہے، اور اسے امتحان گاہ جانتے ہوئے یہاں ایسے اعمال کرنے کی کوشش کرتا ہے جو اگلے جہاں میں اس کے کام آسکیں۔ انسان جب عقیدہ آخرت پر یقین کر لیتا ہے تو اس کا مادیات کے بارے میں تصور بالکل تبدیل ہو جاتا ہے، پھر وہ انہیں محض استعمال کی چیز ہی قرار دیتا ہے، اور اسلام کے اعلیٰ وارفع تصورِ اخلاق پر اس کی نظریں ہوتی ہیں۔ وہ دنیا کو اپنی تمام تر دلچسپیوں کا مرکز قرار دینے سے گریز کرتا ہے، چنانچہ قرآن کریم جگہ جگہ اس کی تلقین کرتا نظر آتا ہے، وہ بار بار اسی جانب توجہ دلاتا ہے کہ دنیا کی زندگی فانی و عارضی ہے، اصل زندگی تو آخرت کی ہے۔ چند آیات ملاحظہ کیجئے:۔

وما هذه الحيوٰة الدنيآ الا لهو و لعب و ان الدار الآخرة لهی الحيوان لو كانو يعلمون ٥ (٦٦)

اور اس دنیا کی زندگی لہو لعب کے سوا کچھ نہیں اور بے شک آخرت کا گھر ہی زندگی ہے کاش وہ جانتے۔

الـم تـر الـى الذين قيل لهم كفوا ايديكم واقيموا الصلوٰة واٰتوا الزكوٰة فلما كتب

جانتے۔

الم تر الی الذین قیل لھم کفوا ایدیکم واقیموا الصلوٰۃ واٰتوا الزکوٰۃ فلما کتب علیھم القتال اذا فریق منھم یخشون الناس کخشیۃ اللہ او اشد خشیۃ وقالوا ربنا لم کتبت علینا القتال لو لا اخرتنا الیٰ اجل قریب قل متاع الدنیا قلیل والاٰخرۃ خیر لن اتقیٰ ولا تظلمون فتیلاً ٥ (٦٧)

کیا آپ نے ان کو نہیں دیکھا جن کو حکم دیا گیا تھا کہ تم اپنے ہاتھوں کو روکے رکھو اور نماز پڑھتے رہو اور زکوٰۃ دیتے رہو، پھر جب ان پر جہاد فرض ہوا تو اس وقت ان میں سے ایک فریق تو لوگوں سے ایسا ڈرنے لگا جیسے کوئی اللہ سے ڈرتا ہے یا اس سے بھی زیادہ اور وہ کہنے لگے کہ اے ہمارے رب! تو نے ہم پر جہاد کیوں فرض کر دیا، ہمیں تھوڑی مدت اور مہلت دے دیتا، آپ کہہ دیجئے کہ دنیا کا فائدہ تھوڑا ہے اور پرہیزگاروں کے لئے آخرت ہی بہتر ہے، اور تم پر ایک تاگے کے برابر بھی ظلم نہ ہوگا۔

یا یھا الذین آمنوا مالکم اذا قیل لکم انفروا فی سبیل اللہ اثا قلتم الی الارض ارضیتم بالحیوٰۃ الدنیا من الاٰخرۃ فما متاع الحیوٰۃ الدنیا فی الاٰخرۃ الا قلیل ٥ (٦٨)

اے ایمان والو! تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ جب تم سے اللہ کی راہ میں نکلنے کا کہا جاتا ہے تو تم بوجھل ہو کر زمین سے لگ جاتے ہو۔ کیا تم آخرت کو چھوڑ کر دنیاوی زندگی پر راضی ہو گئے؟ سو آخرت کے مقابلے میں دنیا کی زندگی کے فائدے بہت ہی قلیل ہیں۔

کل نفس ذائقۃ الموت وانما توفون اجورکم یوم القیٰمۃ فمن زحزح عن النار وادخل الجنۃ فقد فاز وما الحیوٰۃ الدنیا الا متاع الغرور ٥(٦٩)

ہر شخص کو موت کا مزہ چکھنا ہے اور بے شک قیامت کے روز تمہیں تمہارے اعمال کا پورا پورا اجر ملے گا، پس جس کو آگ سے بچایا گیا اور جنت میں داخل کیا گیا سو وہی کامیاب ہوا اور دنیاوی زندگی تو دھوکے کے سوا کچھ نہیں۔

نتیجتاً اس کی نظر میں وسعت، اس کی سوچ میں گہرائی و آفاقیت پیدا ہوتی ہے، وہ وقتی مفادات سے بالاتر ہو کر سوچتا ہے، اور چونکہ وہ جانتا ہے کہ کامیابی کا راز اخروی نجات میں ہے، جس کا کسی کو کچھ پتہ نہیں، سب نے مرنا ہے، سب کا حساب کتاب ہوگا۔ اس لئے اس کی نظر میں کوئی حقیر نہیں رہتا۔ یوں وہ انسانی مساوات تشکیل پاتی ہے جو اسلام کا مطلوب

ہے۔اسلامی تہذیب کے عالم گیر تصور میں عقیدۂ آخرت کا کردار اس اعتبار سے نہایت اہم ہے خصوصاً اسلامی تہذیب کے نفاذ میں تصورِ آخرت نہایت اہمیت کا حامل ہے۔ یہ تصور انسان میں ایک زبردست محتسب کو جنم دیتا ہے جسے ہم اس کا ضمیر بھی کہہ سکتے ہیں جو اسے ان جگہوں پر بھی برائی کرنے سے روکتا ہے جہاں دنیاوی پولیس یا عدالت کی پہنچ نہیں ہوتی۔بعض بہ ظاہر معمولی اخلاقی معاملات میں بھی وہ ڈرتا رہتا ہے مثلاً ایک روزے دار چاہے تو دنیا والوں سے چھپ کر کھا پی سکتا ہے لیکن وہ تنہائی میں بھی ایسا نہیں کرتا۔اس کی وجہ یہ ہے کہ خدا سے اور آخرت میں اس کی پکڑ سے ڈرتا ہے اور آخرت میں حاصل ہونے والی سعادت اسے دنیاوی تکلیف برداشت کرنے کا اہل بنا دیتی ہے۔اس طرح اسلامی تہذیب بہ جا طور پر اس بات کی دعوے دار ہے کہ اس کا اپنا نظام فکر وعمل اور اپنی قوت نافذہ ہے۔(۷۰)

اسلامی تہذیب پر عقیدۂ آخرت کے ان اثرات کا اعتراف کرتے ہوئے لیکی کہتا ہے: ''اگر انسان واقعی یہ سمجھ لے کہ اسے اپنے اعمال کا معاوضہ ایک دائمی عذاب یا دائمی ثواب کی صورت میں کسی ہمہ داں اور ہمہ بیں حاکم کی عدالت میں ملے گا تو یہ خیال نیک کرداری کا ایسا زبردست محرک ہوگا، جس کے سامنے ارتکاب معصیت کی کوئی تاویل نہیں چل سکتی۔(۷۱)

عبادات:

اسلامی تہذیب کے عناصرِ ترکیبی میں دوسرا اہم عنوان عبادات کا ہے، جس میں نماز، زکوٰۃ، روزہ، حج اور جہاد اہمیت رکھتے ہیں۔یہ تمام اجزا اپنی ماہیت حقیقت اور کیفیت کے اعتبار سے اسلامی تہذیب کو ایسی اساس فراہم کرتے ہیں جو اس کے فروغ اور نفاذ میں قوتِ نافذہ کا کردار ادا کرتی ہے، اور اس کے پیغام کو وسعت وآفاقیت عطا کرتے ہیں۔ذیل میں ان پہلوؤں پر روشنی ڈالتے ہوئے ہم اس پہلو کو خاص طور پر نمایاں کریں گے۔

نماز:

ارکان اسلام میں نماز توحید کے بعد دوسرے نمبر پر اور عبادات میں سے اولین فریضہ ہے، جو عبودیت کا اظہار بلکہ افتخار ہے۔انسان کو اللہ تعالیٰ نے محض عبادت کے لئے پیدا فرمایا ہے۔

وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون o (۷۲)

ہم نے جنوں اور انسانوں کو عبادت ہی کے لئے پیدا کیا ہے۔

اور عبادت کی معراج نماز ہے۔نماز کیا ہے؟ ایک عاجز وبے مایہ بندے کا اپنے خالق و مالک کے حضور سجدۂ نیاز، انسانی فطرت کا سوز وگداز، خالق ومخلوق کے مابین تعلق کی عکاسی اور قلبِ مضطر کی پکار اور مایوس دل کی صدا ہے، جس کا آغاز خالقِ کائنات کی حمد وثنا سے ہوتا ہے اور جس کا اختتام جبینِ نیاز کو اس کے حضور میں خاکِ زمیں پہ ٹیک دینے پر ہوتا

ہے،اسے اگر زندگی کا حاصل قرار دیا جائے تو کیونکر غلط ہوگا۔(۷۳)

نماز کی اہمیت قرآن حکیم اور تعلیمات نبوی میں نمایاں طور پر بیان ہوئی ہے۔ہر نومسلم کو سب سے پہلے نماز ہی کی دعوت دی جاتی ہے،حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن کی طرف روانہ فرمایا تو انہیں یہ ہدایت فرمائی:

انک تاتی قوما من اهل الكتاب فادعهم الى شهادة ان لا اله الا الله و انى رسول الله، فان هم اطاعوا لذلک، فاعلمهم ان الله افترض عليهم خمس صلوات فى كل يوم و ليلة، فان هم اطاعوا لذلک، فاعلمهم ان الله افترض عليهم صدقة توخذ من اغنيائهم فترد فى فقرائهم (۷۴)

تم ایک ایسی قوم کے پاس جارہے ہو جو اہل کتاب ہے۔سوتم سب سے پہلے انہیں اس بات کی دعوت دینا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد اللہ کے رسول ہیں، جب وہ یہ تسلیم کرلیں تو انہیں بتانا کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر دن اور رات میں پانچ نمازیں فرض کی ہیں،اور جب وہ یہ بھی مان لیں تو انہیں بتانا کہ ان کے مال میں زکوٰۃ فرض کی گئی ہے، جو اُن کے دولت مندوں سے لے کر ان ہی کے غربا میں تقسیم کی جائے گی۔

نماز کو ہر طرح کی پاکی کا سبب قرار دیا گیا اور اسے فوز و فلاح کا ضامن بتایا گیا۔ارشاد باری ہے:

قد افلح من تزکیٰ o وذکر اسم ربہٖ فصلیٰ o (۷۵)

بے شک وہ کامیاب ہوا جس نے پاکیزگی حاصل کی اور اپنے رب کا نام لیتا رہا اور نماز پڑھتا رہا۔

نماز کی اس اہمیت کے سبب روزِ قیامت میں سب سے پہلے نماز کا ہی حساب ہوگا۔حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

قیامت کے روز سب سے پہلے جس چیز کا حساب لیا جائے گا وہ نماز ہے،اگر وہ درست ہوئی تو اس انسان کے تمام اعمال درست ہوں گے،اور اگر وہ خراب ہوئی تو اس کے سارے اعمال فاسد ہوں گے،اور اگر اس کے فرائض میں کچھ کمی ہوئی تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ دیکھو کیا میرے بندے کے پاس کچھ نفلی عبادات ہیں؟اگر ہیں تو ان سے فرائض کی یہ کمی پوری کرلو،اسی طرح تمام عبادات کا معاملہ ہوگا۔ (۷۶)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے سوال کیا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک کون سا عمل سب سے زیادہ پسندیدہ ہے؟تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

الصلاة على و قتها (۷۷) وقت پر نماز پڑھنا۔

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کی اہمیت کو بیان کرتے ہوئے فرمایا:

تمہارا کیا خیال ہے کہ اگر تم میں سے کسی کے دروازے پر نہر ہو اور وہ اس میں روزانہ پانچ وقت نہائے تو کیا اس پر کچھ میل باقی رہے گا؟ انہوں نے کہا کہ اس پر کچھ میل باقی نہیں رہے گا۔ پھر آپ نے فرمایا کہ یہی مثال پانچ وقت کی نمازوں کی ہے، اللہ تعالیٰ ان کے ذریعے خطائیں معاف کرتا ہے۔ (۷۸)

نماز تعمیرِ سیرت کا فریضہ بھی انجام دیتی ہے، اور انسانی سیرت خاص اس نہج پر تیار کرتی ہے جو اسلام کو مطلوب ہے اور اسلامی زندگی گزارنے کے لئے لازمی ہے۔ نماز خوفِ خدا پیدا کرتی ہے اور انسان کے اندر یہ شعور پختہ کرتی ہے کہ ہر آن اللہ تعالیٰ اس کو دیکھ رہا ہے، اور اس کی کوئی حرکت اور اس کا کوئی فعل و عمل اللہ تعالیٰ سے پوشیدہ نہیں، یہ تصور گناہوں سے بچنے اور اللہ تعالیٰ کے احکامات پر عمل پیرا ہونے کے لئے نہایت ضروری ہے، حضورِ اکرم ﷺ نے فرمایا:

ان تعبد الله كانک تراه، فان لم تكن تراه فانه يراک (۷۹)

اللہ کی عبادت اس طرح کرو کہ گویا تم اس کو دیکھ رہے ہو، اور اگر یہ خیال پیدا نہیں ہوتا تب بھی وہ تو تمہیں دیکھ ہی رہا ہے۔

نماز کے اعمال و افعال کی ترتیب کچھ اس طرح رکھی گئی ہے کہ اس کی پابندی کے ساتھ ادائیگی سے انسان کا مزاج اور عادات خود بہ خود اسلام کے سانچے میں ڈھلتی چلی جاتی ہیں۔ نماز کے بارے میں قرآنِ حکیم میں ارشاد ہے:

ان الصلوٰة تنهىٰ عن الفحشاء والمنكر (۸۰)

نماز بلاشبہ بے حیائی اور برائی سے روکتی ہے۔

یعنی جو نماز سے جتنا قریب ہوتا چلا جائے گا وہ فواحش و منکرات سے اتنا ہی دور ہوتا جائے گا۔ آج کل یہ شکایت عام ہے کہ لوگ نماز بھی ادا کرتے ہیں اور معاملات بھی درست نہیں رکھتے، لین دین میں بھی دوسرے حضرات کو ان سے شکایات رہتی ہیں، اس کی وجہ یہی ہے کہ نماز کو اس کی شرائط و آداب کے ساتھ مکمل اہتمام سے ادا نہیں کیا جاتا۔ اس کی مثال کسی طبیب کی تجویز کردہ دوا کی طرح ہے، اب اس دوا سے یقیناً پہلی ہی خوراک میں صحت یابی کے اثرات سامنے نہیں آئیں گے، مکمل شفایابی کے لئے کچھ وقت درکار ہوگا۔ نیز اس دوا کے ساتھ ساتھ متوازن خوراک، پرہیز اور دوا کا بروقت اور صحیح استعمال بھی شرط ہے، ان امور کو پیشِ نظر رکھے بغیر صحت کا حصول یقینی نہیں، یہی معاملہ نماز کا بھی ہے (۸۱)

زکوٰۃ :

عبادات دوطرح کی ہیں، ایک وہ جنہیں بدنی عبادات کہا جاتا ہے، دوسری مالی عبادات کہلاتی ہیں، نماز اگر بدنی عبادات میں سرِ فہرست ہے تو زکوٰۃ کا مالی عبادات میں پہلا درجہ ہے، اسی بناپر قرآنِ حکیم میں جا بجا زکوٰۃ کا نماز کے ساتھ ہی ذکر کیا گیا ہے، بلکہ ایک مقام پر تو کامیابی کی ضمانت کے طور پر صرف انہی دو اعمال کا ذکر کیا گیا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

ان الـذيـن امنوا وعملوا الصلحت واقاموا الصلوٰة واتوا الزكوٰة لهم اجرهم عند ربهم ولا خوف عليهم ولا هم يحزنون o (۸۲)

بلاشبہ وہ لوگ جو ایمان لائے اور جنہوں نے نیک اعمال کئے اور نماز قائم کی اور زکوٰۃ ادا کی، ان کا اجر ان کے رب کے پاس ہے۔ اور انہیں نہ کسی قسم کا خوف ہوگا اور نہ وہ غم گین ہوں گے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ ان دونوں نمائندہ عبادات کو اگر کوئی ان کی روح کے مطابق انجام دیتا ہے تو گویا اس نے اس امر کی حقیقی ضمانت فراہم کردی کہ وہ اسلام کی دوسری تعلیمات اور اللہ تعالیٰ کے باقی احکامات پر بھی اسی طرح دل و جان سے عمل پیرا ہوگا۔ اور یقیناً یہ بات اس کی کامیابی کی ضمانت اور دونوں جہانوں میں فلاح و کامرانی کی راہ ہے۔ اسلام کی خواہش یہ ہے کہ مال و دولت ایک تسلسل کے ساتھ گردش میں رہے، اس میں کوئی رکاوٹ نہ آئے، اور مال و دولت چند ہاتھوں میں محدود ہو کر نہ رہ جائے، قرآنِ کریم میں فرمایا:

كى لا يكون دولة بين الاغنياء منكم (۸۳)

تا کہ یہ مال تمہارے اغنیا کے درمیان ہی اکٹھا نہ ہو جائے۔

اسی لئے زکوٰۃ کے لینے اور دینے کا اصول بیان کرتے ہوئے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

توخذ من اغنيائهم فترد فى فقرائهم (۸۴)

یہ ان کے مال داروں سے لے کر ان ہی کے غربا میں تقسیم کردی جائے گی۔

یہی بات زکوٰۃ کی اصل غرض و غایت ہے۔ زکوٰۃ مال داروں کے ذمے غریبوں کا حق ہے۔ قرآن یہی کہتا ہے:

والذين فى اموالهم حق معلوم o للسائل والمحروم o (۸۵)

اور جن کے مال میں حق مقرر ہے۔ مانگنے والے کا اور نہ مانگنے والے کا۔

یہی فلسفہ زکوٰۃ کو ایک معاشرتی ذمے داری بنا دیتا ہے، جب ہر صاحبِ ثروت اپنے آس پاس کے تمام ضرورت مندوں کا ذمے دار ہو، اور پھر اس ذمے داری کو پورا بھی کرتا ہے تو معاشرے میں ایک ایسا اتحاد جنم لیتا ہے جو پورے معاشرے کو اسلامی تہذیب کے رنگ میں رنگ دیتا ہے، یوں نہ غریب غریب رہتا ہے، نہ امیر امارت

کے زعم میں گرفتار ہوتا ہے۔ سب مسلمان ہیں، سب برابر ہیں، سب ایک دوسرے کے ذمے دار ہیں۔ یہ عالمگیریت، آفاقیت اور وسعت اسلامی تہذیب کا اختصاص ہے۔

روزہ :

روزے کے معنیٰ رکنے اور خاموش رہنے کے ہیں، یہ درحقیقت نفسانی خواہشات سے بچنے اور حیوانی اثرات سے اپنے آپ کو محفوظ رکھنے کا نام ہے، زندگی کے عام معمول میں ان کا مظہر تین چیزیں ہیں، کھانا، پینا اور وظیفۂ زوجیت ادا کرنا، روزے میں انہی تین چیزوں سے مقررہ وقت تک رکا جاتا ہے۔

انسان روح اور جسم دونوں کے مجموعے کا نام ہے، روح کی خواہش ہوتی ہے کہ انسان کبھی خورد ونوش اور عادت وحاجت کے لگے بندھے نظام سے آزاد ہوکر زندگی کے چند لمحے گزارے۔ اسبابِ رزق کی فراوانی کے باوجود بھوک و پیاس کا مزا چکھے۔ جبکہ جسم آرام طلبی، عیش پرستی، لذت پسندی اور کھانے پینے میں طرح طرح کی جدتیں تراشنے کا خواہاں ہے۔ جب روح غلبہ پاتی ہے تو انسان میں ملکوتی خصلتیں ابھرتی ہیں، اور جب زمامِ اقتدار جسم کے ہاتھ میں آجاتی ہے تو انسانی سوچ کا حاصل حیوانی جبلت رہ جاتی ہے، اس کی تمام فکریں صرف ایک فکر میں ڈھل جاتی ہیں، وہ صرف اس لئے کماتا ہے کہ زیادہ سے زیادہ کھا سکے اور اس لئے کھاتا ہے کہ زیادہ سے زیادہ کما سکے۔ قرآنِ حکیم انسان نما جانوروں کے بارے میں فرماتا ہے:

> **والذین کفروا یتمتعون ویاکلون کما تاکل الانعام والنار مثوی لھم o(۸۶)**
>
> اور جولوگ کافر ہیں وہ عیش کررہے ہیں، اور کھا (پی) رہے ہیں جیسا کہ چوپائے کھاتے (پیتے) ہیں اور آگ ہی ان کا ٹھکانا ہے۔

ان انسانی ونفسانی کمزوریوں پر قابو پانے کے لئے انسانیت کو روزہ عطا کیا گیا ہے، اسی لئے روزے کے بارے میں قرآن کہتا ہے۔

> **یا یھا الذین امنوا کتب علیکم الصیام کما کتب علی الذین من قبلکم لعلکم تتقون o(۸۷)**
>
> اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کردیئے گئے، جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کئے گئے تھے تاکہ تم پرہیزگار ہوجاؤ۔

روزے کا اصل مقصد یہی ہے کہ انسان کے اندر خوفِ خدا پیدا ہوجائے اور وہ متقی بن جائے۔ جب انسان اس تربیتی کورس کی تکمیل کرلیتا ہے تو اسے یہ مژدہ عطا ہوتا ہے کہ اس کے تمام گناہ بخش دیئے گئے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

من صام رمضان ایمانا و احتسابا، غفر له ما تقدم من ذنبه (۸۸)

جو شخص ایمان اور ثواب کی نیت کے ساتھ رمضان کے روزے رکھے گا، اس کے گزشتہ تمام گناہ بخش دیئے جائیں گے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے روزے کو جسم کی زکوۃ قرار دیا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں فرمایا:

لکل شئی زکوۃ و زکوۃ الجسد الصوم (۸۹)

ہر چیز کی ایک زکاۃ ہوتی ہے اور جسم کی زکاۃ روزہ ہے۔

روزے کے ذریعے انسان کو ضبطِ نفس کا بھی پابند بنایا جاتا ہے، انسان فطرتاً آزادی پسند ہے، اور کسی قسم کی حدود و قیود کو برداشت نہیں کرتا، جبکہ بے لگام آزادی اس کے لئے اور پوری کائنات کے لئے سخت ضرر رساں اور نقصان دہ ہے، اس لئے اسلام اس کو آزادی بھی دیتا ہے، اور اس کی آزادی کو بعض شرائط کے ساتھ محدود بھی کر دیتا ہے، تاکہ اس کی فطرت بھی زندہ رہے اور بے لگام آزادی کے نقصانات سے بھی حفاظت ہو سکے، روزے پر مشتمل یہ تیس یوم کا رمضانی کورس اس سلسلے میں بھی اہم خدمت انجام دیتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

الدنیا سجن المؤمن و جنة الکافر (۹۰)

دنیا مومن کے لئے قید خانہ اور کافر کے لئے جنت ہے۔ (۹۱)

درحقیقت روزہ انسان کو اچھا انسان بننے میں مدد دیتا ہے، جو انسانی معاشرے کی اولین ضرورت ہے۔ اس بات سے روزے کی تہذیبی افادیت بھی عیاں ہے۔

حج :

حج اسلام کا پانچواں رکن اور ایک نہایت اہم فریضہ ہے، حج کے لغوی معنیٰ زیارت کے ارادے کے ہیں۔ شریعت کی رو سے حج کی عبادت کو حج اس لئے کہتے ہیں کہ اس سے انسان کعبۃ اللہ کی زیارت کے ارادے سے سفر کرتا ہے۔ حج ہر اس بالغ مرد و عورت پر زندگی میں ایک بار فرض ہے جو صاحبِ استطاعت ہو۔ جو شخص حج کی قدرت رکھنے کے باوجود حج نہیں کرتا، وہ درحقیقت اپنے مسلمان ہونے کی نفی کرتا ہے۔ قرآن حکیم میں فرمایا گیا ہے:

ولله علی الناس حج البیت من استطاع الیه سبیلاً و من کفر فان الله غنی عن العلمین o (۹۲)

لوگوں پر اللہ کا یہ حق ہے کہ جو بھی استطاعت رکھتا ہو، اس کے گھر کا حج کرے، اور جس نے کفر کیا تو اللہ سارے جہان والوں سے بے نیاز ہے۔

اور ایک حدیث میں نبی کریم نے فرمایا:

جو شخص اس قدر استطاعت رکھتا ہو کہ وہ حج کے لئے بیت اللہ تک پہنچ سکے، اور اس کے باوجود وہ حج نہ کرے تو خدا کو اس کی کوئی پرواہ نہیں، خواہ وہ یہودی ہو کر مرے یا نصرانی۔ (۹۳)

انسان کا اپنے رب سے تعلق محض قانونی نوعیت کا نہیں، جس کا دائرہ واجبات و فرائض ادا کرنے، احکامات کی تعمیل کرنے، ٹیکس دینے اور اس کے بدلے چند رعایتیں اور کچھ حقوق کے حصول تک محدود ہو۔ بلکہ یہ رشتہ محبت و پاکیزہ جذبات کا رشتہ ہے، یہ ایسا رشتہ ہے جو ذوق و شوق، عشق و قربانی اور دل سوزی و بے قراری کا غلبہ چاہتا ہے، اور اس سے نہ صرف یہ کہ منع نہیں کرتا بلکہ وہ اس کی دعوت دیتا ہے اس جذبے کو غذا پہنچاتا اور اس کو مزید جلا و قوت بخشتا ہے۔ (۹۴) حج کی یہی اہمیت ہے جس کے سبب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

جس شخص نے حج کیا اور اس میں نہ تو کسی فحش بات کا ارتکاب کیا نہ اللہ کی کوئی نافرمانی کی تو وہ گناہوں سے ایسا پاک وصاف ہو کر واپس ہوگا جیسا وہ اپنی پیدائش کے دن تھا (۹۵)

اور ایک روایت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

حج و عمرہ کرنے والے اللہ تعالیٰ کے مہمان ہیں، اگر وہ اللہ سے دعا کریں تو وہ قبول فرماتا ہے، اور اگر وہ اس سے مغفرت مانگیں تو وہ ان کی مغفرت فرما دیتا ہے۔ (۹۶)

اللہ تعالیٰ حاجیوں پر اپنے فرشتوں کے سامنے فخر بھی فرماتا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ عرفہ کی شام کو عرفات والوں (حاجیوں) کی وجہ سے آسمان والوں (فرشتوں) پر فخر کرتا ہے، اور ان سے کہتا ہے کہ میرے بندوں کو دیکھو، کس طرح پراگندہ بال اور غبار آلود ہو کر میرے پاس آئے ہیں۔ (۹۷)

حج کی تہذیبی اہمیت بھی بالکل واضح ہے کہ حج اسلام کی مرکزیت کو سامنے لاتا اور اسے نمایاں کرتا ہے، اس کا تعلق جزیرۃ العرب سے ہے، جو نافِ زمین کی حیثیت رکھتا ہے، یہ وہ خطۂ ارضی ہے، جس کے رشتے سے پوری ملتِ اسلامیہ کی شیرازہ بندی ہوئی ہے، اور اس کے تعلق کی ڈوری سے دنیا کے چاروں جانب بسنے والے سلسلۂ وحدت میں بندھے ہوئے ہیں۔ وہ تمام لوگ جو مختلف ممالک میں بستے ہیں، مختلف زبانیں بولتے اور مختلف لباس پہنتے ہیں، مختلف تہذیبی و ثقافتی روایات کے حامل ہیں اور شکل وصورت، رنگ و نسل ہر اعتبار سے باہم ایک دوسرے سے اختلاف رکھتے ہیں، مگر اس کے باوجود ایک ساتھ ایک ہی خانۂ کعبہ کے گرد چکر لگاتے اور اس کا طواف کرتے ہیں۔ ایک ہی قبلے کو اپنا مرکز سمجھتے ہیں، اور رنگ و نسل، تمدن و تہذیب، ثقافت و معاشرے اور دوسرے تمام امتیازات کو بالائے طاق رکھ کر ایک ہی وطن، قومیت، ایک ہی لباس، ایک ہی تمدن و معاشرت اور ایک ہی زبان پر متحد ہو جاتے ہیں۔ وحدت کا یہ وہ رنگ ہے جو ہر طرح کی تقسیم پر خطِ تنسیخ پھیر دیتا ہے، اور مادی امتیازات کے ہر پہلو کو ذہنِ انسانی سے کھرچ کر مٹا دیتا ہے، اسلام کی

اس مرکزیت کا، اور مسلمانوں کے مزاج و مذاق کی اس یکسانیت کا دوسری کوئی قوم مقابلہ نہیں کرسکتی، نہ اس کے مقابل اپنی کوئی روایت مثال میں پیش کرسکتی ہے۔ اسلامی تہذیب کا یہ ایک عجیب امتیاز ہے۔

جهاد :

جہاد بھی دیگر عبادتوں کی طرح ایک مہتمم بالشان عبادت ہے، جس کا اسلامی تہذیب اور انسانی معاشرے سے گہرا عملی تعلق ہے۔ جہاد کے معنی انتہائی کوشش کے ہیں۔ جہاد کی تین قسمیں ہیں۔ جہاد بالنفس، جہاد بالمال اور جہاد بالسیف۔ اقسامِ جہاد کی وضاحت کرتے ہوئے ڈاکٹر محمود احمد غازی کہتے ہیں:

شریعت کی تعلیم کے تین اہم اور بڑے میدان ہیں۔ ایک میدان عقائد اور فکری و علمی سرگرمیوں کا ہے۔ اس میدان میں کی جانے والی جدوجہد عموماً اجتہاد کہلاتی ہے۔ شریعت کی تعلیمات کا دوسرا اہم میدان انسان کے قلب و ضمیر کی اصلاح اور روحانی پاکیزگی ہے۔ اس میدان میں انسان اپنی تربیت اور تزکیہ نفس کے لیے جو جدوجہد کرتا ہے وہ اہل فن کی اصطلاح میں مجاہدہ کہلاتی ہے۔ رہا شریعت کی تعلیم کا تیسرا حصہ جو انسان کے ظاہری اعمال سے بحث کرتا ہے اور انسان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں شریعت کے احکام کی خارجی تشکیل و تطبیق سے تعلق رکھتا ہے۔ اس باب میں کی جانے والی جدوجہد کا نام جہاد ہے۔ ان تینوں میں جہاد اور اجتہاد فرض کفایہ ہیں، اور پوری امت کی ذمے داری ہیں۔ اور مجاہدہ فرض عین ہے، اور اپنی اپنی سطح پر ہر شخص کی ذمے داری ہے۔(۹۸)

جہاد بالنفس کا ذکر کرتے ہوئے قرآن کہتا ہے۔

والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا ط وان اللہ لمع المحسنین o(۹۹)

اور جو لوگ ہماری راہ میں کوشش کرتے ہیں ہم ان کو اپنے راستے ضرور دکھائیں گے۔ بلاشبہ اللہ نیکی کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجاہد وہ ہے جو اپنے نفس سے جہاد کرے(۱۰۰)

جہاد بالمال کا ذکر بھی قرآن حکیم میں ہے، ایک مقام پر فرمایا:

ان الذین آمنوا وھاجروا وجاھدوا باموالھم وانفسھم (۱۰۱)

بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں اپنے مال اور جان سے جہاد کیا۔

اور فرمایا:

انفروا خفافاو ثقالاً وجاھدوا باموالکم وانفسکم(۱۰۲)

نکل پڑو ہلکے اور بوجھل اور اپنے مالوں اور جانوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کرو۔

جہاد بالسیف کا مفہوم بھی اسلام میں بالکل واضح ہے۔ آنحضرت ﷺ کی بعثت کے مقاصد میں سے ایک مقصد دین اسلام کو تمام ادیان پر غالب کرنا ہے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

هو الذی ارسل رسولهٗ بالهدیٰ و دین الحق لیظهرهٗ علی الدین کلهٖ ط و کفیٰ بالله شهیداً o (۱۰۳)

وہ خدا ہی تو ہے جس نے اپنے رسول (ﷺ) کو ہدایت اور دین حق دے کر بھیجا، تاکہ وہ اس (دین حق) کو (دنیا کے) تمام ادیان پر غالب کر دے۔

اور دوسرے مقام پر فرمایا

وقاتلوهم حتیٰ لاتکون فتنة و یکون الدین کلهٗ لله (۱۰۴)

اور ان سے قتال کرتے رہو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور سارا دین اللہ ہی کا ہو جائے۔

یاد رہے کہ یہ جہاد صرف اللہ کی رضا کے لئے ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

جنگ دو طرح کی ہوتی ہے، سو جس نے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی چاہی، اپنے امام کی پیروی کی، اپنا قیمتی سرمایہ خرچ کیا اور اپنے ساتھیوں کے ساتھ رفق و ملاطفت سے پیش آیا اور فتنہ و فساد سے بچا تو پھر بے شک اس کا سونا اور جاگنا سب کار ثواب ہے، اور جس نے بڑائی دکھانے، اور شہرت کی خاطر جنگ کی اور امام کی نافرمانی کی اور زمین پر فساد برپا کیا وہ ثواب سے محروم رہا۔ (۱۰۵)

اسی لئے اسلام نے دشمن سے مڈبھیڑ کی تمنا کرنے سے بھی منع کیا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ایها الناس، لا تتمنوا لقاء العدو وسلوا الله العافیة (۱۰۶)

اے لوگو! دشمن سے مڈبھیڑ کی تمنا نہ کرو اور اللہ سے عافیت مانگو۔

اور اسی لئے دوران جہاد بوڑھوں، بچوں اور عورتوں کو قتل کرنے سے بھی منع کیا گیا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

اللہ کے نام اور اس کی امداد اور رسولِ خدا کی ملت میں رہتے ہوئے روانہ ہو جاؤ کسی بوڑھے شخص، چھوٹے بچے اور عورت کو قتل نہ کرو، مال غنیمت میں خیانت نہ کرو اور تمام مال غنیمت کو اکٹھا کرو، اصلاح کرو اور احسان کرو کیوں کہ اللہ احسان کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔ (۱۰۷)

اسی بنا پر حضرت زہرہ بن الحویہؓ نے جنگ قادسیہ کے موقع پر رستم کے سوالوں کا جواب دیتے ہوئے اسلام کے نظریہ جہاد کی وضاحت ان الفاظ میں کی تھی:

والـلـه جاء بنا لنخرج من شاء من عبادة العباد الى عبادة الله ومن ضيق الدنيا الى سعتها ومن جور الاديان الى عدل الاسلام (۱۰۸)

واللہ ہم اس لئے آئے ہیں کہ لوگوں کو مخلوق کی بندگی سے نکال کر اللہ کی بندگی کی طرف لگائیں اور انہیں دنیا کی سختی سے اس کی وسعتوں کی طرف اور باطل ادیان کے جور و ظلم سے نکال کر اسلام کے عدل کی طرف لے آئیں۔

چنانچہ علامہ سرخسی اسلام کے مقاصد جہاد یہ بیان کرتے ہیں: مسلمانوں کو امن وسکون میسر ہو، اور وہ اپنے دینی اور دنیاوی مقاصد کی تکمیل کے لئے امن کے ساتھ رہ سکیں۔(۱۰۹)

اخلاق:

اسلامی تہذیب کے عناصر ترکیبی میں تیسرا اہم جز اخلاق ہے، اخلاق کے بے شمار پہلو ہیں، مگر اخلاقیات کا بنیادی فلسفہ سب مذاہب کے ہاں متفقہ ہے، ہر تہذیب اس کی اہمیت کی قائل ہے، وہ بھی جو مذہب کو دیس نکالا دینے کے دعوے دار ہیں اخلاق کی اہمیت سے انکار نہیں کر سکتے۔ پھر اسلامی تہذیب اخلاق کا ایک مکمل نظام رکھتی ہے، اس لئے یہ پہلو علیحدہ سے مفصل گفتگو کا متقاضی ہے، اس بنا پر اس پہلو پر مزید گفتگو کی یہاں ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔

اسلامی تہذیب کے مظاہر:

اسلامی تہذیب کے عناصر ترکیبی اور عناصرِ تشکیل کا ایک مفصل جائزہ سامنے آچکا۔ اس تہذیب نے انسانیت پر کیا اثرات مرتب کیے ہیں، اور حیاتِ انسانی کس کس پہلو سے اسلامی تہذیب سے اور اس کے مظاہر سے متاثر ہوتی ہے؟ نیز یہ مظاہر کس طرح اسلامی تہذیب کے عالم گیر تصور کی وضاحت کرتے ہیں۔ ان نکات پر اختصار کے ساتھ ذیل میں روشنی ڈالی جاتی ہے۔ ہم یہاں جن اہم مظاہر کا ذکر کر رہے ہیں، وہ یہ ہیں۔ احترام انبیاء، اخوت، مشاورت، مساوات، احترامِ آدمیت

احترامِ انبیاء:

انبیائے کرام پر ایمان عقائد کا بنیادی حصہ ہے، جس پر تفصیلی گفتگو ماقبل میں گزر چکی۔ البتہ احترامِ انبیا جو عقیدۂ رسالت کا ناگزیر حصہ ہے، اسلامی تہذیب کا ایک اہم مظہر ہے، ایسا مظہر جو اسلامی تہذیب کی ہمہ جہتی اور آفاقیت کا بھی مظہر ہے۔ اسلام انبیائے کرام کے مابین ایسی کسی تفریق کا روادار نہیں، جس کے نتیجے میں بعض انبیائے کرام کو ماننے والے بعض انبیا کا انکار کریں یا خدانخواستہ ان کی تنقیص کریں۔ پھر خصوصاً نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے احترام

کے بارے میں اسلام نہایت حساس ہے۔قرآن حکیم میں بہت سے مقامات پر اس سلسلے میں ہدایات دی گئی ہیں۔ سورۂ حجرات میں فرمایا گیا۔

یـاایھـا الـذیـن آمنوا لا ترفعوآ اصواتکم فوق صوت النبی ولا تجھروا لہٗ بالقول کجھر بعضکم لبعض ان تحبط اعمالکم وانتم لا تشعرون o (۱۱۰)

اے ایمان والو! اپنی آوازیں نبی کی آواز سے بلند نہ کیا کرو اور نہ ان سے اُونچی آواز میں بات کرو، جس طرح تم ایک دوسرے سے بات کرتے ہو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہارے اعمال ضائع ہو جائیں اور تمہیں خبر بھی نہ ہو۔

اسلام کے عقیدۂ رسالت کے تحت ایک مسلمان کا جو جذباتی، قلبی اور ایمانی تعلق ذاتِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے استوار ہوتا ہے، اسے نہ عقل وخرد کے پیمانوں میں ناپا جاسکتا ہے، نہ اس کی حقیقت صفحۂ قرطاس پر منتقل کی جاسکتی ہے، نہ خاص تہذیبی پس منظر کے بغیر اسے جاننا ہی ممکن ہوسکتا ہے۔ مگر احترام وعقیدت اور جاں نثاری پر مبنی رویہ ایسی آفاقی قدروں کی تشکیل کرتا ہے جو انسانیت کی راہ نمائی اور انہیں امن وسکون دینے کے لئے ناگزیر ہیں۔ یہی اقدار تہذیب کی عالمگیریت کی ضامن ہیں۔

اخوت :

اسلامی تہذیب کا ایک اہم مظہر اخوت واتحاد ہے، ایسا انسانی اتحاد جو ہر طرح کی جغرافیائی، علاقائی، لسانی اور حیاتیاتی تفریق اور امتیازات سے ماورا ہے اس کرۂ ارض نے پہلی بار ہجرت مدینہ کے بعد دیکھا، اور جس کی نظیر آج تک پیش نہیں کی جاسکی۔ یہ سب نگاہِ نبوت کا فیضان اور نبی رحمت علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعلیم وتربیت کا نتیجہ تھا۔ قرآن اس کی تلقین کرتے ہوئے کہتا ہے۔

یـاایھـا الـنـاس انا خلقنکم من ذکر و انثیٰ وجعلنکم شعوبا و قبائل لتعارفوا ط ان اکرمکم عنداللہ اتقاکم (۱۱۱)

اے لوگو! ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمہارے مختلف خاندان اور قبیلے بنا دیئے تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو۔ اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ بزرگی والا وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ پرہیزگار ہو۔

انسان جب تک اپنے دوسرے بھائی کے حقوق کا پاس نہ کرے اور اسے اپنی طرح تمام سہولتوں اور ضروریات کا حق دار نہ سمجھے اس وقت تک کسی بھی معاشرے میں اخوت واتحاد کی روح پیدا نہیں ہوسکتی۔ آپ ﷺ نے اس امر کی جانب بھی

مختلف انداز سے لوگوں کو متوجہ کیا۔ ایک بار آپ ﷺ نے اپنے صحابہ کرام سے پوچھا کہ تم جانتے ہو مفلس کسے کہتے ہیں؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ مفلس (عرف عام میں) اسے کہتے ہیں جس کے پاس درہم و دینار نہ ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: میری امت میں مفلس وہ ہے جو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر ہوگا، اس نے نمازیں پڑھی ہوں گی، زکوٰۃ دی ہوگی اور روزے بھی رکھے ہوں گے لیکن کسی کو گالی دی ہوگی، کسی پر بہتان لگایا ہوگا، کسی کا مال ہڑپ کیا ہوگا، کسی کا خون بہایا ہوگا، کسی کو مارا ہوگا۔ تو اس کی تمام نیکیاں ان مظلوموں کو دے دی جائیں گی۔ اگر اس کے مظالم ختم ہونے سے پہلے اس کی نیکیاں ختم ہو جائیں گی تو مظلوموں کی غلطیاں اور ان کے گناہ اس کے سر پر ڈال دیئے جائیں گے اور پھر اس کو جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔ (۱۱۲)

مشاورت :

اسلامی تہذیب کے مظاہر میں مشاورت عجیب شان کی نعمت ہے، اسے بعد میں انسانی عقل نے نہ جانے کیا کیا عنوانات دیئے۔ لیکن جس ماحول میں کھڑے ہو کر اسلام نے اس کی تلقین کی وہ من مانیوں اور من چاہے قوانین وضابطوں کا دور تھا۔ اس عہد میں تو ہر حاکمِ وقت کا کہا ہی مستند تھا۔ ایسے میں اللہ تعالیٰ نے امت کی تعلیم کے لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مشورے کی ہدایت کی۔ پوری امت کا یہ متفقہ عقیدہ ہے کہ وحی سے قطع نظر آپ ﷺ عقل و دانش اور علم و فہم میں بھی تمام لوگوں سے برتر تھے۔ مگر اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وشاورھم فی الامر (۱۱۳) اور آپ اپنے ساتھیوں سے مشورہ کرلیا کیجئے۔

چنانچہ آپ ﷺ نے خود بھی اس پر عمل فرمایا اور مسلمانوں کو بھی باہم مشاورت قائم کرنے کی تاکید فرمائی۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ان کی تعریف بھی فرمائی (۱۱۴)

مساوات :

نسلِ انسانی کی مساوات انسانیت کا سب سے خوش نما خواب ہے۔ مگر اس کے نتیجے میں اسے جو کچھ ملا وہ پہلے سے زیادہ تعصب، پہلے سے زیادہ نسلی کشمکش اور قبائلی تضاد تھا۔ حالانکہ کسی تہذیب کی آفاقی قدروں کی تشکیل مساوات پر مبنی انسانی رویے کو پروان چڑھائے بغیر ممکن نہیں۔ اس میدان میں اگر کسی تہذیب کو فخر کے ساتھ پیش کیا جاسکتا ہے تو وہ صرف اسلامی تہذیب ہے، خود غیر مسلموں کو بھی اس کا اعتراف ہے۔ سوامی ویویکا نند کہتا ہے: میرا تجربہ ہے کہ اگر کبھی کوئی مذہب عملی مساوات تک قابل لحاظ درجے میں پہنچا ہے تو وہ اسلام اور صرف اسلام ہے۔ (۱۱۵)

آپ ﷺ نے عملی طور پر اسلامی حکومت کے قیام کے بعد مساوات کا وہ عظیم الشان نمونہ پیش فرمایا کہ تاریخ اس کی نظیر پیش کرنے سے آج بھی قاصر ہے۔ آپ کے اور صحابہ کرام کے مابین لباس کے اعتبار سے بھی کوئی فرق موجود نہ تھا۔ اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نشست بھی ایسی عام اور کسی امتیاز کے بغیر ہوتی تھی کہ باہر سے آنے والے شخص کو

آپ کے بارے میں پوچھنا پڑتا تھا۔ ایک بار صحابہ کرام نے آپ کے بیٹھنے کے لئے ایک چبوترا بنانا چاہا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو بھی پسند نہ فرمایا۔(۱۱۶)

احترامِ آدمیت

اسلام دینِ انسانیت ہے، وہ احترامِ آدمیت سکھاتا ہے۔ انسان خدا کی وہ مخلوق ہے جس کے بارے میں خود قرآن کہتا ہے کہ اسے احسن تقویم میں پیدا کیا گیا۔(۱۱۷) انسان تخلیق خداوندی کا بے مثال شاہ کار ہے، اس لئے وہ ہر طرح کے اختلاف کے باوجود قابلِ احترام ہے، ہر صورت میں قابلِ عزت ہے۔ انسانی تاریخ میں اسلامی تہذیب نے احترامِ آدمیت کو جس درجے قانونی شکل دی ہے، اور اس احترام کو عملاً اپنی تہذیب کا حصہ بنایا ہے، اس کی دوسری مثال پیش نہیں کی جاسکتی۔ اسلام اعلیٰ انسانی قدروں کا مونس اور نگاہ بان ہے، نبی رحمت علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان مبارک ہے: تم ہرگز مومن نہیں ہو سکتے جب تک تم رحم نہ کرو۔ لوگوں نے کہا کہ اے خدا کے رسول، ہم میں سے ہر شخص رحم کرنے والا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ تم اپنے ساتھی پر مہربانی کرو۔ بلکہ اس سے مراد تمام لوگوں اور تمام انسانوں کے ساتھ رحم کرنا ہے۔(۱۱۸)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انسان کو اس کی اصل یاد دلاتے ہوئے فرمایا:

الناس کلھم بنو آدم و آدم من تراب(۱۱۹)

تمام انسان آدم کی اولاد میں سے ہیں اور آدم مٹی سے پیدا ہوئے۔

حجۃ الوداع کے تاریخ ساز موقع پر نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تاریخی اعلان بھی فرمایا:

لا فضل لعربی علی عجمی ولا لعجمی علی عربی ولا لابیض علیٰ اسود ولا لاسود علی ابیض الا بالتقوی (۱۲۰)

کسی عربی کو نہ کسی عجمی پر کوئی برتری حاصل ہے اور نہ کسی عجمی کو کسی عربی پر، اسی طرح نہ کسی گورے کو کسی کالے پر تفوق ہے اور نہ کسی کالے کو کسی گورے پر۔ ہاں وجہ فضیلت اگر ہے تو صرف اور صرف تقویٰ۔(۱۲۱)

اور ایک روایت میں فرمایا:

المسلم من سلم الناس من لسانہ ویدہ(۱۲۲)

مسلمان تو وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے انسان محفوظ رہیں۔

اسلامی تہذیب کے اثرات:

اسلامی تہذیب کے اثرات دو طرح کے ہیں ایک تو وہ اثرات ہیں جو تاریخ انسانی پر مجموعی طور پر پڑے۔ان اثرات سے استفادہ کرنے والوں میں مغرب بھی شامل ہے، جن کا خود اہلِ مغرب نے بھی اعتراف کیا ہے، ہم صرف دو اقتباسات پر اکتفا کریں گے۔گستاؤلیبان مشہور فرانسیسی مورخ ہے، وہ لکھتا ہے: عربوں نے چند صدیوں میں اندلس کو مالی اور علمی لحاظ سے یورپ کا سرتاج بنادیا۔یہ انقلاب صرف علمی و اقتصادی نہ تھا اخلاقی بھی تھا۔انہوں نے نصاریٰ کو انسانی خصائل سکھائے۔ان کا سلوک یہود و نصاریٰ کے ساتھ وہی تھا جو مسلمانوں کے ساتھ تھا۔انہیں سلطنت کا ہر عہدہ مل سکتا تھا۔مذہبی مجلس کی کھلی اجازت تھی۔ان کے زمانے میں لاتعداد گرجوں کی تعمیر اس امر کی مزید شہادت ہیں۔(۱۲۳)

ایک اور مورخ ول ڈیورانٹ (Will durant) کہتا ہے: ندلس پر عربوں کی حکومت اس قدر ت عاولانہ، عاقلانہ اور مشفقانہ تھی کہ اس کی مثال اس کی تاریخ میں موجود نہیں۔ان کا نظم و نسق اس دور میں بے مثال تھا۔ان کے قوانین سے معقولیت و انسانیت ٹپکتی تھی اور ان کے جج نہایت قابل تھے۔عیسائیوں کے معاملات ان کے اپنے ہم مذہب حکام کے سپرد تھے۔جو عیسوی قانون کے مطابق فیصلے کرتے تھے۔پولیس کا انتظام اعلیٰ تھا۔بازار میں وزن اور ماپ کی کڑی نگرانی کی جاتی تھی۔روما کے مقابلے میں ٹیکس کم تھا۔کسانوں کے لئے عربوں کی حکومت ایک نعمت ثابت ہوئی کہ انہوں نے بڑے بڑے زمینداروں کی زمینیں مزارعین میں تقسیم کردی تھیں۔(۱۲۴)

دوسری نوعیت کے اثرات وہ ہیں جن کے مظاہر مسلم معاشروں میں دیکھے جاسکتے ہیں۔جب مسلم معاشرے اسلامی تعلیمات کے زیادہ قریب تھے تو یہ اثرات ان میں زیادہ نمایاں تھے۔آہستہ آہستہ ان اثرات میں بہت سے پہلوؤں سے کمزوری آتی گئی، البتہ بعض روایات کا تسلسل آج بھی مسلم معاشروں میں زندہ ہے۔ان میں فروغ علم و حکمت، اعلیٰ انسانی قدروں کا قیام، دین و دنیا کا امتزاج، آزادیٔ رائے، تحقیقی شعور کا فروغ شامل ہیں۔یہ تمام وہ پہلو ہیں جو اسلامی تہذیب کے آفاقی اور عالم گیر ہونے کی علامت ہیں۔فروغ علم میں اسلامی تہذیب کی خدمات دنیا کی نگاہ سے پوشیدہ نہیں۔اسلام نے اقراء کے لفظ سے آغاز کیا۔نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی کا آغاز اقراء سے ہوا۔(۱۲۵) ان ابتدائی آیات میں خالق کائنات کے نام کو سب سے پہلے رکھا گیا۔ اقراء بسم ربک الذی خلق جو اس امر کا اعلان تھا کہ مختلف ٹکڑوں میں بٹی تعلیم اب ایک مرکز کے تحت آرہی ہے جو آفاقی قدروں اور اعلیٰ ترین مقاصد کی امین ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے قبل تعلیم تھی ہی نہیں۔جہاں تھی تو اس پر چند شخصیات کی اجارہ داری تھی، اور جس قدر تعلیم تھی تو وہ اعلیٰ مقاصد کی فہم سے بالکل عاری تھی۔تعلیم کو پہلی بار اعلیٰ ترین مقاصد کا محور آپ ﷺ بنایا۔پھر توحید کے ذریعے انسان کو مخلوق کی اطاعت اور عبادت سے آزاد کرکے اسلام نے جس طرح آدمیت کو اعلیٰ انسانی قدروں سے روشناس کرایا اور ذات پات کی تفریق کو یک سر مٹا کر ان کے مابین مکمل انسانی مساوات قائم کی، اس کا اعتراف ہر ذی شعور کو ہے۔اسلامی تہذیب نے دیگر تمام مذاہب اور تہذیبوں کے برعکس دینی اور دنیاوی معاملات کو باہم مربوط کردیا۔آپ ﷺ دنیا کو مزرعة الآخرة

آخرت کی کھیتی قرار دیا۔ اور ہدایت کی کہ جائز حدود میں رہتے ہوئے اور ممانعتوں سے اجتناب کرتے ہوئے دنیاوی امور خالص ایمان واری سے انجام دیئے جائیں۔ قرآن کہتا ہے

وابتغ فیمآ اتٰک اللہ الدار الآخرۃ ولا تنس نصیبک من الدنیا (۱۲۶)

اور جو کچھ اللہ نے تجھے دیا ہے اس سے آخرت کا گھر حاصل کر اور دنیا سے اپنا حصہ فراموش نہ کر۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کی لعنت اس شخص پر جو ہجرت کے بعد جنگل میں مقیم ہوا اور اللہ کی لعنت اس پر جو ہجرت کے بعد جنگل میں مقیم ہوا، سوائے فتنے کی حالت کے، کیونکہ فتنے کے دنوں میں جنگل میں چلے جانا فتنے کے مقام پر رکنے سے بہتر ہے۔ (۱۲۷)

قرآنِ حکیم میں ہمیں جو دعا تلقین کی گئی ہے وہ دین و دنیا دونوں کے حقوق کی نگاہ بانی کی تلقین کرتی ہے:

ربنااٰتنا فی الدنیا حسنۃ وفی الآخرۃ حسنۃ وقنا عذاب النار ٥ (۱۲۸)

اے ہمارے رب ہمیں دنیا میں بھی بھلائی عطا فرما اور آخرت میں بھی بھلائی عطا فرما، اور ہمیں آگ کے عذاب سے بچا۔

جہاں تک آزادیٔ رائے اور تحقیقی شعور کا تعلق ہے تو توحید پر گفتگو کرتے ہوئے اس سلسلے کی چند مثالیں پیش کی جا چکی ہیں۔ جو ہمارا دعویٰ ثابت کرنے کے لئے کافی ہیں۔

اسلامی تہذیب کے خصائص و امتیازات:

اب تک جو کچھ بیان کیا گیا وہ اسلامی تہذیب کے خصائص و امتیازات ہی ہیں، جو ایسی اعلیٰ آفاقی قدروں کی تشکیل کرتے ہیں جو آدمیت کو انسانیت کی سطح پر لے جاتی اور اعلیٰ ترین مناصب پر فائز کرتی ہیں۔ لیکن ذیل میں ہم خلاصۂ کلام کے طور پر اپنی گفتگو سمیٹتے ہوئے تہذیب اسلامی کے بعض اہم خصائص کو نکات کی شکل میں بیان کرتے ہیں۔

ا۔ الہامیت: تہذیب اسلامی جن نکات و عناصر سے عبارت ہے وہ فطرت کے تشکیل کردہ اور وحی الٰہی سے فیض یافتہ ہیں۔ قرآن و سنت جو اسلامی تہذیب کے بنیادی اجزا ہیں دونوں وحی متلو اور وحی غیر متلو کی صورت میں ہدایاتِ ربانی کی ہم تک پہنچنے کی براہِ راست شکلیں ہیں۔ اس لئے یہ تہذیب ایک تو انسانیت کے لے سراسر خیر ہے، دوسرے اس کی ہدایات انسانی ذہن کی کمزوریوں، خطاؤں اور محدودیت سے پاک ہیں۔ یہ خوبی کسی دوسری تہذیب کو حاصل نہیں۔

ب۔ آفاقیت: وحی الٰہی سے مستنیر ہونے کے سبب تہذیب اسلامی آفاقی قدروں کی حامل ہے، اس کی سوچ وسیع اور نظریں آسمانوں پر ہیں۔ علاقائیت، لسانیت، مقامیت کسی نوع کی تہمت اس پر دھری نہیں جا سکتی۔ اللہ تعالیٰ

نے خود فرمایا:

وماارسلنک الا کافۃ للناس بشیراُو نذیرا (۱۳۲)

اور ہم نے آپ ﷺ کو تمام لوگوں کے لیے خوش خبری سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے ۔

ج۔ جامعیت: اسلامی تہذیب کی جامعیت سے کس کو انکار ہوسکتا ہے؟ انفرادی زندگی سے لے کر اجتماعی معاملات تک، سیاست ومعیشت سے لے کر معاشرت وسماجیات تک، قومی امور سے لے کر بین الاقوامی معاملات تک ہر پہلو، ہر زاویے سے اگر کسی تہذیب نے نہایت باریک بینی کے ساتھ غور وفکر کیا ہے تو وہ صرف اسلامی تہذیب ہے، یہی وجہ ہے کہ اس کی تعلیمات اور ہدایات نہایت جامعیت کے ساتھ ہر عہد میں ہر طرح کے حالات میں مکمل طور پر کارآمد ہیں۔

د۔ کاملیت: جامعیت کے ساتھ کمال امتیاز ہے جس کی مثال کم از کم معلوم انسانی تاریخ میں اسلام کے سوا کہیں پیش نہیں کی جاسکتی۔ یہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذاتِ مبارکہ ہے جس میں کمال بھی اپنے کمال کو پہنچا ہو نظر آتا ہے۔ جہاں کسی قسم کے نقص کے بارے میں تصور بھی محال ہے۔ اپنوں کا بیان نہیں غیر متعصب غیر بھی اس امر کے اعتراف کو اپنی سچائی کی شہادت اور ضمانت تصور کرتے ہیں۔

ہ۔ کشادہ ظرفی میں بھی اس کا کوئی مقابل نہیں۔ دوسری تہذیبوں کو جس اپنائیت کے ساتھ اسلامی تہذیب اپنے اندر سمو لینے کی صلاحیت رکھتی ہے وہ بھی دیگر تہذیبوں میں مفقود ہے۔

و۔ اسلامی تہذیب کسی مصنوعی خوش نما خارجی عامل یا عوامل کا نام نہیں وہ تو خود انسان کے ظاہر و باطن دونوں کو خوش نما بنانے اور اسے ہر اعتبار سے مزین کرنے کا نام ہے۔

یہ صرف ہمارے دعوے نہیں۔ کھلی آنکھوں سے حقائق کا مشاہدہ کرنے والے بھی یہی کہتے ہیں۔ ولفرڈ کانٹویل اسمتھ کہتا ہے۔

اسلامی طرز زندگی نے معاشرہ کو وحدت وقوت عطا کی، متحدر کھنے والی اس قوت میں مذہبی قانون کو مرکزی مقام حاصل تھا جس نے اپنے طاقت ور اور متعین دھارے کے ذریعے رسوم وعبادات سے لے کر ملکیت تک ہر چیز کو منضبط کر دیا، شرعی قانون نے اسلامی معاشرے کو قرطبہ سے ملتان تک وحدت عطا کی۔ (۱۳۳)

اسلامی تہذیب کا کام ابھی پورا نہیں ہوا۔ دنیا آج ایک بار پھر اپنے توہمات، فساد فکر ونظر، اپنی بداعمالیوں، بدکرداریوں، اور بدمعاملگی سے آزادی حاصل کرنے کے لئے اسلام کی طرف دیکھ رہی ہے۔ اس کی نظر میں واحد نجات دہندہ اسلام ہے، اور واحد راہنما محمد عربی علیہ الصلوٰۃ والسلام۔ دیکھئے ایک مشہور مستشرق ایچ اے آر گب (H.A.R. Gibb) کیا کہتا ہے۔

اسلام کو ابھی انسانیت کی ایک اور خدمت انجام دینی ہے۔ لوگوں کے مراتب، مواقع، اور عمل کے لحاظ سے مختلف نسلوں کے درمیان مساوات قائم کرنے میں کسی معاشرے نے اس جیسی کامیابی حاصل نہیں کی، افریقہ، ہندوستان اور انڈونیشیا کے عظیم اور جاپان کے محدود مسلم معاشرے سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ کس طرح اسلام مختلف نسلوں اور روایات، نہ مٹنے والے اختلافات کو تحلیل کر دیتا ہے، اگر مشرق و مغرب کے عظیم معاشروں میں مخالفت کے بجائے باہمی تعاون پیدا ہونا ہے تو اس کے لئے اسلام کی خدمات حاصل کرنا لازمی ہوگا۔ (۱۳۴)

آخر میں سوال یہ ہے کہ کیا ہم دنیا کی نظروں سے جھلکتا یہ پیغام پڑھنے کی صلاحیت رکھتے ہیں؟ اور کیا اس ضمن میں اپنے فرائض سے آگاہ ہیں؟ اے کاش کہ ایسا ہو۔

وما علینا الا البلاغ المبین وآخر دعوانا الحمدللہ رب العالمین

حوالہ جات

۱۔ لوئس معلوف/ المنجد۔ مطبعہ کاثولیکیہ، مصر ۱۹۴۷ء: ص ۹۴۵

۲۔ ابن منظور الافریقی/ لسان العرب۔ نشر ادب الحوزہ قم ایران، ۱۴۰۵ھ: ج ا ص ۷۸۲

☆ المنجد: محولہ بالا

۳۔ آکسفورڈ انگلش ڈکشنری/ آکسفورڈ ۱۹۷۸ء: ج ۲، ص ۱۲۴۷

4. The Training development and refinement of mind taste and manners The intellectual side of civilization

5. Philip Bagby/Culture and History/PP73 Longmans Green and Co., 1958

۶۔ ایضاً

7. Robert Bier Stedt/The Social Order PP.127

۸۔ ایضاً

۹۔ میتھیو آرنلڈ/ ثقافت وانتشار (اردو ترجمہ)۔ مسلم ایجوکیشنل کانفرنس، کراچی: ص ۱۶۱

10. T. S. Eliot/Notes Towards the Definition of Culture/London, Fother and Fother Ltd., 1948 PP.13

۱۱۔ ایضاً

۱۲۔ لسان العرب: ج ۹، ص ۱۹، ۲۰۔

☆ المنجد: ص ۶۹

۱۳۔ راغب علی بیروتی/ الثقافۃ۔ مکتبۃ اصلیۃ، بیروت: ص ۱۹

۱۴۔ پروفیسر محمد ارشد خاں بھٹی/ مطالعہ تہذیب اسلامی۔ اصباح الادب، اردو بازار، لاہور: ص ۱۲۔

۱۵۔ المنجد: ۸۰۷

۱۶۔ ڈاکٹر نگار سجاد ظہیر/ مطالعۂ تہذیب۔ ثناء پبلی کیشنز، کراچی ۱۹۹۳ء: ص ۲۶

۱۷۔ لسان العرب: ج ۴، ص ۱۹۶

☆ المنجد: ص ۱۳۴

۱۸۔ ڈاکٹر خالد علوی/ اسلام کا معاشرتی نظام۔ الفیصل، لاہور ۲۰۰۵ء: ص ۱۱۹

۱۹۔ علامہ آئی آئی قاضی/ آئینۂ حق۔ مرتب و مترجم محمد موسیٰ بھٹو۔ علامہ آئی آئی قاضی یادگاری سوسائٹی، حیدرآباد، ۲۰۰۰ء: ص ۸۰

۲۰۔ ایضاً ص ۸۱

۲۱۔ ایضاً: ۸۰

۲۲۔ مطالعۂ تہذیب اسلامی: ص ۲۳

۲۳۔ ایضاً: ص ۳۱

۲۴۔ ایضاً: ص ۳۴

۲۵۔ اکٹر نگار سجاد ظہیر/ مطالعۂ تہذیب: ص ۳۱ تا ۳۴

☆ ابنِ خلدون/ المقدمہ

۲۶۔ مطالعۂ تہذیب: ص ۳۵

۲۷۔ ایضاً: ص ۲۵

۲۸۔ ایضاً: ص ۳۷

۲۹۔ ایضاً: ص ۳۹

۳۰۔ اشتیاق حسین قریشی/ جدوجہد پاکستان۔ ترجمہ ہلال احمد زبیری، شعبۂ تصنیف و تالیف و ترجمہ، کراچی یونیورسٹی، کراچی ۱۹۹۰ء: ص ۱۷۹

۳۱۔ پروفیسر سید محمد سلیم/ تاریخ نظریہ پاکستان۔ ادارہ تعلیمی تحقیق، لاہور، ۱۹۹۶ء: ص ۲۲۷

۳۲۔ ایضاً

۳۳۔ سید فضل الرحمٰن/ تحریک پاکستان کے فکری محرکات۔ زوار اکیڈمی پبلی کیشنز، کراچی ۱۹۹۷ء: ص ۲۸

۳۴۔ انسائکلوپیڈیا آف ریلیجن اینڈ اتھیکس/ مقالہ نگاری، سی جے ویب (C.L.J.W.EBB)

۳۵۔ البقرہ: ۱۳۸

36. David Marquand, Ronald L. Nettler, Religion and Democracy, Blackwell Publishers, 108-Cowley Road, Oxford, OX4 1JF, UK, 2000, pp.53-54

۳۷۔ ڈاکٹر خالد علوی/ اسلام کا معاشرتی نظام: ص ۱۲۴

۳۸۔ ایضاً

۳۹۔ پروفیسر محمد ارشد خاں بھٹی/ مطالعۂ تہذیب اسلامی: ص ۲۴

۴۰۔ مطالعۂ تہذیب: ص ۱۴۰۔ ۱۳۹۔ اور مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی/ اسلامی تہذیب اور اس کے اصول و مبادی۔ اسلامک پبلی کیشنز،

لاہور۔۲۰۰۶ء:ص ۶،۸

۴۱۔ پروفیسر محمد ارشد خاں بھٹی/ مطالعۂ تہذیب اسلامی/ص ۲۴

۴۲۔ البقرہ:۲۱۳

۴۳۔ الرعد:۷

۴۴۔ یونس:۴۷

۴۵۔ اخلاص ۴۔ا

۴۶۔ سید عزیز الرحمٰن/ خطباتِ محرم۔ القلم، ناظم آباد، کراچی ۲۰۰۶ء:ص ۳۴۔

۴۷۔ جرجانی/ کشف اصطلاحات الفنون: بہ ذیل مادہ

۴۸۔ لقمان:۱۳

۴۹۔ الجاثیۃ:۱۳

۵۰۔ النحل:۱۲

۵۱۔ اس باب میں مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: مولانا وحید الدین خاں/ اسلام دورِ جدید کا خالق۔ فضلی سنز، کراچی ۱۹۹۸ء:ص ۲۳ بعد۔ نیز وہی مصنف اسلام اور عصرِ حاضر۔ فضلی سنز، کراچی، ۱۹۹۶ء:ص ۹۹ بعد

۵۲۔ مولانا وحید الدین خاں/ اسلام دور جدید کا خالق:ص ۵۴۔۵۳

۵۳۔ ترمذی، محمد بن عیسیٰ (م ۲۷۹ھ)/ السنن۔ دار الفکر بیروت، ۱۹۹۴:ج ۵،ص ۴۹۸، رقم ۳۹۸۲

☆ ابو داؤد، سلیمان بن اشعث بجستانی (م ۲۷۵ھ)/ السنن/ بیروت، دار الفکر، ۱۹۹۴ء:ج ۴،ص ۳۶۷، رقم ۵۱۱۶

۵۴۔ اس سلسلے میں مزید مثالوں کے لئے ملاحظہ کیجئے۔ مولانا وحید الدین خاں/ اسلام دور جدید کا خالق:ص ۲۹ بعد، نیز ص ۵۶ بعد

55. J. Toynbee, A Study of History, Abridgement of Volumes I-VI by D. C. Somervell, Oxford University Press, 1947, pp.227-8

۵۶۔ النساء:۱۵۱۔۱۵۰

۵۷۔ الاعراف:۱۵۸

۵۸۔ السبا:۲۸

۵۹۔ آل عمران:۸۵

۶۰۔ الاحزاب:۴۰

۶۱۔ بخاری: کتاب الانبیاء، باب ۵۱

☆ مسلم بن حجاج ابو الحسین (۲۶۱ھ)/ الصحیح / بیروت، دار الکتب العلمیہ، ۹۸ء:ج ۳،ص ۲۳۴، رقم ۱۸۴۲

۶۲۔ بخاری/ ج ۲،ص ۴۲۲۔ رقم ۳۵۳۵

۶۳۔ مسلم: ج ۱،ص ۳۰۳، رقم ۵۲۳

۶۴۔ خطبات محرم: ص ۶۵، ۶۷

۶۵۔ ایضاً: ص ۷۱، ۷۲

۶۶۔ العنکبوت: ۶۴

۶۷۔ النساء: ۷۷

۶۸۔ التوبۃ: ۳۸

۶۹۔ آل عمران: ۱۸۵

۷۰۔ نگار سجاد ظہیر/مطالعہ تہذیب: ص ۱۹۳

۷۱۔ ندوی، سید ابوالحسن علی۔ مذہب اور تمدن۔ مجلسِ نشریات اسلام، کراچی: ص ۹۵

۷۲۔ الذاریات: ۵۶

۷۳۔ خطبات محرم: ص ۹۶

۷۴۔ بخاری: ج ۱، ص ۴۴۱، رقم ۱۳۹۵

☆ مسلم: ج ۱، ص ۶۲۔ رقم ۱۹

☆ ابوداؤد: ج ۲، ص ۱۸۷، رقم ۱۵۸۴

۷۵۔ الاعلیٰ: ۱۴، ۱۵

۷۶۔ ترمذی: ج ۱، ص ۴۲۲، رقم ۴۱۳

۷۷۔ بخاری: کتاب الادب، باب البر والصلۃ

۷۸۔ مسلم: ج ۱، ص ۳۷۵، رقم ۶۶۷

☆ ترمذی: ج ۴، ص ۳۹۷، رقم ۲۸۷۷

☆ بخاری: ج ۱، ص ۱۳۴۷، رقم ۵۲۸

۷۹۔ مسلم: ج ۱، ص ۵۳، رقم ۹

۸۰۔ العنکبوت: ۴۵

۸۱۔ خطباتِ محرم: ۹۷

۸۲۔ البقرہ: ۲۷۷

۸۳۔ الحشر: ۷

۸۴۔ مسلم: ج ۱، ص ۶۲۔ رقم ۱۹

۸۵۔ المعارج: ۲۴، ۲۵

۸۶۔ محمد: ۱۲

۸۷۔ البقرہ: ۱۸۳

۸۸۔ بخاری: کتاب الایمان، باب صوم رمضان احتسابا من الایمان

۸۹۔ ابنِ ماجہ: ج ۲،ص ۵۵۵،رقم ۱۷۴۵
۹۰۔ مسلم: ج ۴،ص ۳۸۰،رقم ۲۹۵۶
۹۱۔ خطباتِ محرم: ۱۴۳،۱۴۴،۱۴۵
۹۲۔ آل عمران: ۹۷
۹۳۔ ترمذی: ج ۲،ص ۲۱۹،رقم ۸۱۲
۹۴۔ ندوی، ابوالحسن علی، مولانا/ ارکانِ اربعہ۔ مجلس نشریات اسلام، کراچی: ص ۳۱۱
۹۵۔ بخاری: کتاب الحج باب فضل الحج المبرور۔
☆ مسلم: ج ۲،ص ۳۰۵،رقم ۱۳۵۰
۹۶۔ ابن ماجہ: ج ۳،ص ۲۶۲،رقم ۲۸۹۲
۹۷۔ احمد بن حنبل (م ۲۴۱ھ) المسند۔ دار احیاء التراث العربی، بیرت ۱۹۹۳: ج ۲،ص ۴۴۸۔ رقم ۷۰۴۹
۹۸۔ ڈاکٹر محمود احمد غازی/ اسلام کا قانون بین الممالک۔ شریعہ اکیڈمی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد: ص ۳۲۴
۹۹۔ العنکبوت: ۶۹
۱۰۰۔ علی متقی الہندی/ کنز الاعمال
۱۰۱۔ الانفال: ۷۲
۱۰۲۔ التوبہ: ۴۱
۱۰۳۔ الفتح: ۲۸
۱۰۴۔ الانفال: ۳۹
۱۰۵۔ ابوداؤد: ج ۲،ص ۳۵۱،رقم ۲۵۱۵
۱۰۶۔ مسلم: ج ۱،ص ۱۶۱،رقم ۱۷۴۲
۱۰۷۔ ابوداؤد/ ج ۲،ص ۳۸۳،رقم ۲۶۱۴
۱۰۸۔ طبری، محمد بن جریر، ابوجعفر (۳۱۰ھ)/ تاریخ طبری۔ بیروت، دار الکتب العلمیہ، ۱۴۰۷ھ: ج ۲،ص ۴۰۱
۱۰۹۔ سرخسی/ المبسوط، کتاب السیر: ج ۶،ص ۱۲۳
۱۱۰۔ الحجرات: ۲،۳
۱۱۱۔ الحجرات: ۱۳
۱۱۲۔ مسلم: ج ۳،ص ۱۱۴،رقم ۲۱۶۲
☆ ابوداؤد: ج ۴،ص ۳۳۸ رقم ۵۰۳۰
۱۱۳۔ مسلم: ج ۱،ص ۸۷،رقم ۵۴
۱۱۴۔ ابن حبان/ ج ۱۰،ص ۲۵۹ رقم ۴۴۱۱ رقم ۸۰۱۶
☆ احمد بن محمد بن حنبل ابوعبداللہ الشیبانی (م ۲۴۱ھ)/ مؤسسہ قرطبہ، مصر/ ج ۲ص ۳۰۲

۱۱۵۔ آل عمران:۱۵۹

۱۱۶۔ الشوریٰ:۳۸

۱۱۷۔ مولانا وحیدالدین خاں/اسلام دورِ جدید کا خالق:ص۹۹

۱۱۸۔ سید عزیز الرحمٰن/تعلیماتِ نبوی اور آج کے زندہ مسائل۔القلم، ناظم آباد نمبر۲، کراچی، ۲۰۰۵ء:ص۸۳

۱۱۹۔ التین:۴

۱۲۰۔ ابن حجر العسقلانی/فتح الباری:ج۳،ص۲۱۴

۱۲۱۔ فتح الباری:ج۱۰،ص۴۵۳

۱۲۲۔ مشکوٰۃ، باب المفاخرۃ

۱۲۳۔ ابنِ قیم جوزیہ/زاد المعاد:ج۲،ص۲۲

۱۲۴۔ مفتاحی، محمد ظفیر الدین ندوی، مولانا/اسلام کا نظامِ امن۔ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی، ۱۹۹۱ء:ص۵۶

۱۲۵۔ مسند احمد:ص۴۴۷،رقم۷۰۴۶

۱۲۶۔ موسیو لیبان/تمدن عرب:ص۲۵۷

127. Will Durant/Age of Faith/A History of Medieval Civilization Christian, Islamic, and Judaic.from Constatine to Dante: A.D.325-1300, Simon & Schuster,NY,1950. p.792

۱۲۸۔ اقراء کی ابتدائی پانچ آیات نازل ہوئیں. اقرأ باسم ربک الذی خلق o خلق الانسان من علق o اقرأ وربک الاکرم o الذی علم بالقلم o علم الانسان مالم یعلم o اپنے رب کے نام سے پڑھیے جس نے پیدا کیا۔ اس نے انسان کو خون کے لوتھڑے سے پیدا کیا۔ پڑھیے اور آپ کا رب بڑا کریم ہے۔ جس نے قلم سے تعلیم دی انسان کو وہ سکھایا جسے وہ نہیں جانتا تھا۔اقراء:۱،۵

۱۲۹۔ القصص:۷۷

۱۳۰۔ ہیثمی، نورالدین علی بن ابوبکر (م ۸۰۷ھ)/مجمع الزوائد۔دارالفکر، بیرت، ۱۹۹۴ء:ج۵،ص۲۵۴

۱۳۱۔ البقرہ:۲۰۱

۱۳۲۔ السبا:۲۸

133. Wilfered Cantwell Smith, Islam in Modern History, New York, 1957, pp36-37

134. H. A. R. Gibb, Whither Islam, (London), 1932, p.379

سید عزیز الرحمٰن

اے۔۴/۱۷۔ ناظم آباد نمبر۴، کراچی۔پوسٹ کوڈ ۷۴۶۰۰

فون:021-36684790، موبائل:0300-2257355